ہفت روزہ

ندائے خلافت

۲۸ مارچ ۱۹۹۴ء

☆ تاریخ کے تناظر میں سابقہ اور موجودہ مسلم اُمتوں کا موازنہ

☆ عالمِ اسلام کو مرغِ دست آموز بنانے کا امریکی منصوبہ

☆ سندھ میں یہ نیا تصادم سب کچھ درہم برہم کردے گا

ہے کوئی جو خبردار کرنے والے کی پکار پر کان دھرے!

بظاہر امریکہ لیکن فی الحقیقت صیہونیت کی سربراہی میں نئے عالمی استعمار نے نیو ورلڈ آرڈر کے نام سے جس منصوبے پر عمل کا آغاز "آپریشن ڈیزرٹ سٹارم" میں فتح کے پھریرے اڑانے کے بعد سے کیا' اس سے امیر تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریکِ خلافت جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے قوم کو بروقت خبردار کردیا تھا تاہم اب ان کی باتیں شاید بہتر طور پر سمجھ میں آنے لگی ہوں گی جب سے شہ رگِ پاکستان یعنی کشمیر پر ہماری وزارت خارجہ کی نااہلی کے تازہ چرکوں سے بھی خون رِسنا شروع ہوا ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے اس قرارداد کی واپسی کو جو گزشتہ حکومت نے پیش کی تھی اور اسی عالمی ادارے کے حقوقِ انسانی کمیشن کے سامنے بڑے دھوم دھڑکے سے رکھی جانے والی قرارداد کے "تعطل" کو ہماری حزب مخالف نے خداداد موقع سمجھ کر حکومت کے خلاف گولہ باری میں بارود کے طور پر تو خوب استعمال کیا لیکن حقائق کی سنگینی کو محسوس کرنے کی کوشش بالکل نہیں کی۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ عالمی منظر کے سمندر میں برفانی تودے کی یہ ذرا سی نوک انہیں صرف اس حقیقت سے خبردار کرنے کے لئے نمودار ہوئی ہے کہ سطح سے نیچے ایک ایسی عظیم الجثہ — چٹان مستور ہے جس سے ٹکرا کر تمہارا سفینہ پاش پاش ہو جائے گا۔

خبردار کرنے والے مردِ خود آگاہ و خدا مست نے کہا ہے کہ بظاہر احوال قوم کے سامنے دو راستے کھلے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ایران کے مجوزہ بلاک میں چین اور بھارت کا ساتھ دے اور نیو ورلڈ آرڈر کے سامنے تن کر کھڑا ہو جائے اور دوسرا یہ کہ بدستور امریکہ کے رحم و کرم پر پڑا ہی نہ رہے بلکہ اس کے استعماری عزائم کی خدمت تن من سے انجام دینے کے لئے کمر کس لے لیکن مشکل یہ ہے کہ دونوں ہی صورتوں میں پاکستان کو اپنی شہ رگ' کشمیر سے ہاتھ دھولینے ہوں گے اور ان کے دیگر نتائج و عواقب بھی قوم کے لئے کسی بھی طرح قابل قبول نہ ہوں گے۔ یوں خطرے کی گھنٹی بجانے کے بعد اس خبردار کرنے والے نے ایک تیسری راہ بھی دکھائی جس کی طرف بلاتے اس نے اپنے دل میں کسی صلے اور اجر کی کوئی موہوم سی بھی امید پالے بغیر عمرِ عزیز کی متاع لٹا دی ہے۔ یہ کہ ہم اپنے تشخص کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں جس کے لئے خدا کو جاننے' خودی کو پہچاننے اور اس نسخہ کیمیا کو حرزِ جاں بنانے کی ضرورت ہے جسے لے کر رسول اکرم ﷺ نکل کر حرا سے سوئے قوم آئے تھے۔

ہے کوئی جو خبردار کرنے والے کی اس پکار پر کان دھرے' کچھ اور نہیں تو کم سے کم توجہ سے سن تو لے' غور و فکر کا موضوع بنائے' گفت و شنید کا دروازہ ہی کھولے! غنیمت ہے کہ یہ احساس تو اب عام ہوتا جا رہا ہے کہ ہمارے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے لیکن افسوس کہ مختصر مہلت سے فائدہ اٹھانے کی فکر ہر چند کہیں کہ ہے' نہیں ہے۔----OO

قیمت ۵ روپے

حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ......!!

—— نجیب صدیقی ——

اس وقت پاکستان کے حالات پر سوچنے والوں کی نیندیں تو حرام ہو ہی چکی ہیں وہ لوگ جنہیں ہر طرف خیر نظر آ رہا تھا اور اپنے من پسند دھندھوں میں "جتے" ہوئے تھے وہ بھی حیران و ششدر ہیں کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ خیبر سے کراچی تک ہر طرف' دھواں' دھواں نظر آ رہا ہے جو کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔

پاکستان کی دونوں بڑی پارٹیاں "طبل جنگ" بجا رہی ہیں۔ "پکڑو اور جانے مت دو" کا کھیل شروع ہوا چاہتا ہے۔ سرحدوں کا حال پہلے ہی سے مخدوش ہے۔ ہندوستان اپنی سرحدوں پر دمدے بنا رہا ہے۔ کشمیر میں آگ و خون کی بارش ہو رہی ہے۔ افغانستان جل رہا ہے اور اس کے شعلے ہماری سرحدوں کو چھو رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے نمائندے "گالم گلوچ" "دھینگا مشتی" اور ایک دوسرے پر "پل" پڑنے کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے نمائندے اسمبلیوں میں بھیجے تھے وہ "بل فائٹ" کے لئے نہیں بھیجے تھے۔ قوم کی تعمیر کے لئے بھیجے تھے۔ ہمارے دستور میں ایسی کوئی دفعہ نہیں ہے جس کے ذریعہ عوام اپنے نمائندوں کو واپس بلا لیں ---- اس تجربے کے بعد تو آئین میں اس بات کا اضافہ ہونا چاہئے کہ ایسی صورت میں عوام کو حق ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کو مسترد کر دیں اور ان سے کہیں کہ واپس آ جاؤ۔

حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ بہت سخت دن آنے والے ہیں۔ سندھ میں پہلے ہی مسائل بہت تھے موجودہ گورنمنٹ نے مزید نئے مسائل کھڑے کر دیئے ہیں جو "سلگنا" شروع ہو گئے ہیں۔ پونے دو سال سے سندھ میں آپریشن ہو رہا ہے۔ یہ کیسا آپریشن ہے جس کی نہ کوئی میعاد مقرر ہے اور نہ ہی اہداف کا تعین ہے۔ انتظامیہ کہتی ہے کہ حالات ٹھیک ہو رہے ہیں جبکہ ہر روز صبح کے اخبار اس "سچ" کا پول کھول دیتے ہیں۔ لوگ کہنے لگے ہیں کہ مارشل لاء برا ہے تو ایسی

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلیہِ رٰاجِعُون

مولانا کوثر نیازی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انہوں نے وہ مرحلہ عبور کر لیا جس سے ایک نہ ایک دن ہم سب کو گزرنا ہے۔ بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور نیکیوں کو قبول کر کے مغفرت کا سامان کر دے۔ کون جانے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں انہوں نے اپنے اللہ سے کوئی نیا عہد و پیمان کر ہی لیا ہو۔ "ندائے خلافت" کا ادارۂ تحریر مرحوم کے پس ماندگان کے غم میں شریک ہے اور انہیں صبر کی وصیت کرتا ہے۔

ہمارے یہاں رسمی تعزیت ناموں کا کچھ بہت رواج نہیں تاہم مولانا سے ماضی میں ایک ایسا تعلق رہا تھا جس کے بندھن ٹوٹ کر بھی کم سے کم نشان تو چھوڑ ہی جاتے ہیں۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مرحوم کے پس ماندگان کو تار کے ذریعے ایک تعزیتی پیغام بھیجا ہے لیکن ہمارے قارئین کے لئے شاید وہ تعزیت نامہ زیادہ سبق آموز ہو جو ڈاکٹر صاحب نے مرحوم کے نوجوان فرزند کی حادثاتی موت پر لکھا تھا۔ لکھنے والے نے یہ خط جب اپنے ایک بزرگ کو دکھایا تو انہوں نے اسے روک لینے کا مشورہ دیا چنانچہ اس وقت تو نہیں البتہ بعد میں ایک ملاقات کے موقع پر یہ ۲۰ سال پرانی تحریر ان کی خدمت میں پیش کر دی گئی تھی۔ اس ملاقات کے لئے ۴ اگست ۹۱ء کو مرحوم مولانا کوثر نیازی نے خود آنے کی زحمت کی تھی۔

۱۲/دسمبر ۷۲ء کو لکھا گیا یہ تعزیت نامہ کسی تغیر و تبدل کے بغیر جوں کا توں پیش خدمت ہے ---(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۲۔ افغانی روڈ' سمن آباد' لاہور

۱۲ دسمبر ۷۲ء

محترمی و مکرمی کوثر نیازی صاحب

السلام و علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ'

عزیزم فاروق کی جوان مرگ پر تعزیت کے لئے قلم تو ہاتھ میں لے لیا ہے لیکن الفاظ نہیں مل رہے۔ لہٰذا بجائے آپ سے تعزیت کرنے کے' خود اپنے آپ کو آپ کی جگہ رکھ کر ایک عربی شعر پیش کرتا ہوں:

یعزون عنک وابن العزاء
ولکنہ عمل مستحب!

آپ کو تو شاید معلوم نہ ہو مرحوم میرے بڑے بچے عارف کا کلاس فیلو تھا' پہلے سنٹرل ماڈل ہائی سکول میں -- اور پھر گورنمنٹ کالج میں۔ اور میں اس کی زبانی مرحوم کا تذکرہ سنتا رہتا تھا۔ جب حادثے کی خبر آئی تو شدید تشویش ہوئی اور میں بڑی بے چینی کے ساتھ روزانہ تلاش کر کے خبر دیکھتا رہا۔ تا آنکہ وفات کی خبر پڑھنے میں آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولوی برکت علی صاحب آپ کے پاس ہو آئے۔ اگر جاتے ہوئے مطلع کر دیتے تو یقیناً میں بھی حاضر ہوتا۔

کوثر صاحب' میرے نزدیک انسان کو جو سب سے بڑا صدمہ اٹھانا پڑ سکتا ہے وہ یہی ہے کہ جب اس کی اولاد نرینہ خصوصاً اسی عمر کو پہنچے جو "فلما بلغ معہ السعی" کے قرآنی الفاظ میں بیان ہوئی ہے تو اسے اس کی موت کا صدمہ سہنا پڑ جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑا صدمہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ تو اس پر انسان تعزیت کرے تو کن الفاظ میں۔ا۔ جب خود آنحضور ﷺ نے اپنے شیر خوار صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات پر "یا ابراھیم انا من فراقک لمحزونون" یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہے تھے تو "تا بہ دیگراں چہ رسد!" کسی عام انسان کے صدمے کا اندازہ کیسے کیا جا سکتا ہے اور اسے تسلی دی جا سکتی ہے تو کیسے؟

ہاں! ایک بات عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

اس قسم کے جھٹکے بسا اوقات انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ آج کل آپ یقیناً یہ سوچ رہے ہوں گے کہ اگر زندگی بس یہی کچھ ہے تو ہم کس بھول میں پڑے چلے جا رہے ہیں۔ کیا خود ہماری زندگی اسی طرح آناً فاناً ختم نہیں ہو سکتی۔ خدا کے لئے ان احساسات کو بس یونہی نہ گزر جانے دیں بلکہ ان کو اپنے مضبوط اور توانا ہاتھوں سے تھام کر روک لیجئے۔

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۳ شمارہ ۱۳

۲۸ مارچ ۱۹۹۴ء

(6)

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۳ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۱۰ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۶ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۲۰ 〃 〃

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

اس بار "ندائے خلافت" ٹھیک ایک ہفتے کی تاخیر سے حاضر خدمت ہو رہا ہے۔ باعث تاخیر عید کی تعطیلات تھیں اور ہمارے لئے یہ بھی آسان نہ تھا کہ اس کی پیشگی تیاری کر لیتے کیونکہ رمضان المبارک کے جس سعید مہینے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جامع قرآن اکیڈمی میں دورۂ ترجمہ قرآن بنفس نفیس کرا رہے ہوں' اکیڈمی کے پورے ماحول اور سب معمولات پر ایک اور ہی طرح کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ پھر ماہ مبارک کے آخری دنوں میں لوڈشیڈنگ کا عذاب بھی دوبارہ مسلط ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب کو آئندہ بھی ایسے بہت سے مواقع عطا فرمائے تاہم ہمارا خیال ہے اور اکثر شرکاء و سامعین نے اس سے اتفاق ظاہر کیا ہے کہ خوب تر سے خوب ترین کی طرف اگرچہ سفر بتائید ربانی جاری رہے گا تاہم اس ماہ مبارک کے دورۂ ترجمہ میں ان کے خیالات میں تسلسل اور بیان میں روانی کی عجب رعنائی نظر آئی اور سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے کہ پہلی بار اس پورے پروگرام کی معیاری اور نہایت اعلیٰ ویڈیو ریکارڈنگ بھی ہو گئی ہے۔ جن خوش نصیب بھائیوں کو رمضان المبارک کی راتیں محترم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ قرآن مجید کی معیت میں گزارنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق و تیسیر ملی' ان کی قسمت پر تو رشک کیجئے تاہم محرومی پر کف افسوس ملنے کی اب چنداں ضرورت نہیں رہی کیونکہ ویڈیو کیسٹ کی مدد سے اس محرومی کا ایک حد تک تو ازالہ کیا ہی جاسکتا ہے۔

اس تاخیر میں خیر کا ایک پہلو یہ نکلا ہے کہ گزشتہ جمعہ کے خطاب کا کم سے کم پریس ریلیز تو شامل اشاعت کر ہی لیا گیا ہے جو اپنے موضوع کے اعتبار سے بحالات موجودہ اہم ترین تھا۔ یہ پریس ریلیز اخبارات نے حسب منشاء قطع و برید کے بعد خبروں میں دیا تھا جس کی وجہ سے اکثر صورتوں میں اصل مضمون غت ربود ہو گیا۔ اللہ جزائے خیر دے معاصر روزنامہ نوائے وقت لاہور کو کہ کاٹ چھانٹ اتنی زیادہ اور اس نوع کی نہ تھی ورنہ شکائت دوسروں سے بھی نہیں کرتے کہ ان کی دلچسپی کے موضوع اور بہت ہیں۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست! تحریک خلافت پاکستان آئندہ جمعہ کی شام کو لاہور میں ہی اسی موضوع پر ایک مذاکرے کے انعقاد کا پروگرام مرتب کر رہی ہے۔ اگر زعمائے سیاست اور اہل دانش کا تعاون میسر آگیا اور مذاکرے کی یہ بیل منڈھے چڑھ سکی تو ان شاء اللہ "ندائے خلافت" کا آئندہ شمارہ اشاعت خصوصی کی شکل میں سامنے آئے گا جس میں داعی تحریک کے مذکورہ بالا خطاب جمعہ کے پورے خلاصے کے علاوہ مذاکرے کے شرکاء کے خیالات اور حاضرین کے رد عمل پر مشتمل مفصل رپورٹ بھی پیش کی جائے گی۔ کوشش یہ بھی ہو گی کہ رچرڈ نکسن کی کتاب کے جس اہم باب کا ترجمہ اس پرچے سے شروع کر دیا گیا ہے' اس کے تسلسل میں بھی تعطل نہ آئے ورنہ بدمزگی ہو گی۔ البتہ خطبات خلافت کو روک لینا ممکن ہو گا کیونکہ پہلے خطبے کی تکمیل اس دفعہ ہو گئی ہے اور دوسرے خطبے کے آغاز کے لئے دو ہفتوں کا انتظار تو کیا ہی جاسکتا ہے۔

خلافت پوری دنیا کے مسلمانوں کی مشترکہ متاع گم گشتہ ہے چنانچہ اس صدی کے آغاز میں خلافت عثمانیہ کے سقوط کا مرثیہ صرف ہم نہیں پڑھتے' ہر باشعور و دردمند مسلمان کے دل سے اس کے ذکر پر اک ہوک سی اٹھتی ہے۔ لندن کے جریدے "امپیکٹ انٹرنیشنل" نے اپنے شمارہ فروری ۹۴ء میں اسی ضمن میں غیر مسلم رعایا کی اپنے محسنوں سے غداری کی شرمناک داستان کا ایک المناک باب شائع کیا ہے جو یورپ کی صلیبی قوتوں کی اکساہٹ پر اپنوں کے طرز عمل میں تغافل کی سرنگ کے راستے امور سلطنت میں دخیل ہوئے اور اس عالی شان عمارت کو منہدم کر کے چھوڑا جس کے کھنڈر آج بھی عظمت و سطوت رفتہ کے گواہ ہیں۔ موقر جریدے کے شکریے کے ساتھ اور جناب سردار اعوان کے تعاون سے یہ کہانی معاونین تحریک خلافت کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ کاش جیسا کچھ بھی تھا' خلافت کا ادارہ قائم ہی رہتا تو اس کی اصلاح وہ محنت طلب نہ کرتی جو آج اس کے محض تعارف ہی کے لئے کرنی پڑ رہی ہے!۔ ○○

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات نمبر۱۸۶)

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں‘

(کہ رمضان المبارک کے دوگونہ پروگرام ---- دن کا روزہ اور رات کا قیام بالقرآن -- کے ذریعے روح کو بالیدگی ہی عطا نہیں ہوگی ایک حیات تازہ بھی نصیب ہوگی اور وہ والہانہ بے تابی کے ساتھ اپنے اصل مرکز یعنی اپنے خالق و مالک کی جانب متوجہ ہوگی‘ ایسے میں اے نبی اگر میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں یہ بتا کر ان کی تسلی کر دیجئے کہ میں کہیں دور نہیں‘ نہایت قریب ہوں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ۔

"ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں ۔۔۔ راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں!"

اگر بندہ اپنے دل کو اللہ کی یاد سے آباد رکھے گا‘ اس کی نعمتوں پر کثرت سے اس کا شکر ادا کرتا رہے گا‘ ہر آزمائش میں اسی سے صبر و استقامت طلب کرے گا اور ہر مصیبت میں اسی کے آگے روئے اور گڑگڑائے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ اسے ہر دم اللہ کی معیت حاصل ہے‘ وہ اللہ کو اپنی شہ رگ سے بھی قریب تر پائے گا۔ اس کے برعکس اگر بندہ اللہ کی یاد سے غافل اور اس کی موجودگی کے احساس سے بے پروا ہے تو اللہ سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ پھر اس کے اور اللہ کے مابین پردے حائل ہوتے چلے جائیں گے۔ ہمارا دین درحقیقت خالق و مخلوق کے مابین حائل انہی خود ساختہ پردوں کو دور کرنے آیا ہے۔ اگر بندہ خلوص و اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی جانب متوجہ ہونا اور اس سے تعلق جوڑنا چاہتا ہے تو اسے کسی پیر‘ پنڈت‘ پروہت یا پادری کے واسطے اور وسیلے کی ہرگز کوئی حاجت نہیں ہے۔ وہ اپنے رب کو براہ راست پکارے تو وہ اسے انتہائی قریب پائے گا)

میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے

(خالق ارض و سماء کا یہ صاف اور واضح اعلان ہے کہ وہ ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہی نہیں جواب بھی دیتا ہے۔ بندہ اگر خلوص و اخلاص اور تضرع و عاجزی کے ساتھ اپنے رب کو پکارے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کی مدد اور فریاد رسی کو نہ پہنچے! بندہ اگر وہی چیز مانگے جو مانگنے کی ہے اور اس طور سے مانگے جس طور سے مانگنا چاہئے تو پروردگار ہر ایسی دعا کو ضرور شرف قبول عطا فرماتا ہے۔ تاہم چونکہ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے ان سے بڑھ کر واقف ہے لہٰذا کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ بندے نے جس چیز کی استدعا کی تھی‘ پروردگار اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتا ہے یا یہ کہ فوری طور پر عطا نہیں کرتا بلکہ بندے کے مستقبل یا آخرت کے لئے محفوظ فرما لیتا ہے۔ بہرکیف ۔

"افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر ۔۔۔ اٹھتے ہیں حجاب آخر کرتے ہیں خطاب آخر"

تو چاہئے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ صحیح راہ پر رہیں O

(کہ بندے اور رب کا معاملہ دو طرفہ ہے۔ اگر بندے یہ چاہتے ہیں کہ پروردگار اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے ساتھ ان کی طرف توجہ کرے تو انہیں بھی چاہئے کہ وہ اپنے رب کے فرمانبردار بن کر رہیں‘ اسی کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردنوں میں ڈالیں‘ اس کے ہر حکم کے آگے سر جھکانے کی روش اپنالیں اور توکل و اعتماد کی کل پونجی بھی اسی کی ذات کے ساتھ وابستہ کریں تبھی وہ سیدھی راہ پر گامزن رہ سکیں گے۔ اس لئے کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور پر بھروسہ اور اعتماد کرنا توحید کے صریحاً منافی ہے)

جوامع الکلم

روز قیامت روزہ اور قرآن دونوں بندے کے حق میں سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا‘ "اے میرے پروردگار‘ میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا‘ آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما!"۔ اور قرآن کہے گا‘ "میں نے اس کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا‘ پس آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما!"... چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی!۔

(شعب الایمان للبیہقی بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)

سندھ میں یہ نیا تصادم سب کچھ درہم برہم کر دے گا

ضلع ملیر...... سندھ حکومت کا شرپسندانہ منصوبہ

الطاف اجمل نواز شریف اتحاد مہاجر پٹھان پنجابی محاذ کا قیام ہے

لسانی جنگ کی تیاریاں مکمل ہیں؟

عبدالکریم عابد

جناب قاضی حسین احمد نے فرمایا ہے کہ جونہی اس حقیقت کا احساس ہوگا کہ بے نظیر حکومت پورے پانچ سال چلنے والی ہے تو نواز لیگ کے گھونسلے سے پرندوں کے غول پیپلز پارٹی کے آشیانہ میں پناہ حاصل کرنے کے لئے پہنچ جائیں گے۔ قاضی صاحب اور بیشتر سیاسی رہنماؤں کا متفقہ خیال ہے کہ نواز شریف کوئی ایجی ٹیشن نہیں چلا سکیں گے اور سیاسی دانشوروں کے حلقوں میں بھی یہی خیال غالب ہے کہ ایجی ٹیشن کا نہ یہ وقت ہے اور نہ اس کی کامیابی کے امکانات ہیں۔ نوائے وقت نے بھی اپنے ایک اداریہ میں نواز شریف کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ملک کے خارجی اور داخلی حالات کو پیش نظر رکھیں جو ایجی ٹیشن کے متحمل نہیں ہوسکتے بلکہ نوائے وقت نے تو یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ محض عوامی مقبولیت کوئی چیز نہیں ہے اور ایجی ٹیشن ہمیشہ وہی کامیاب رہا ہے جس کی ڈور پیچھے سے مقتدر قوتیں ہلاتی ہیں مگر اب چونکہ پس پردہ کی بیرونی اور داخلی قوتیں بے نظیر حکومت کے ساتھ ہیں اس لئے ٹکراؤ کی بجائے انتظار کی پالیسی اختیار کرنی چاہئے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ ہماری مقتدر قوتوں نے بے نظیر کو امریکہ سے معاملہ کرنے کے لئے ایک کار آمد شخصیت سمجھا ہے اور اسی لئے انہیں تخت شاہی پر بٹھایا گیا۔ اب امریکہ سے معاملات کے طے ہونے کا انتظار ہے' آئی ایم ایف اور عالمی بینک سے تقریباً تین ارب ڈالر مل چکے ہیں لیکن امریکہ کی اقتصادی اور فوجی امداد کی واگزاری کا مسئلہ ہنوز معلق ہے۔ پاکستان نے بائیس ارب روپے سے جو ایف ۱۶ طیارے خریدے تھے اور جس کی ڈیلیوری روک لی گئی تھی' انہیں بھی حاصل کرنا ہے۔ جنرل عبدالوحید خان امریکہ کے دورہ پر جانے والے ہیں۔ ویسا ہی اہم دورہ ہوگا جیسا ایوب خان کا کمانڈر انچیف کی حیثیت میں دورہ امریکہ تھا جس کے بعد پاکستان اور امریکہ کے درمیان دفاعی معاہدے طے پائے اور ہماری فوج کو جدید سازوسامان اور جدید تربیت ملنے لگی۔ اب بھی ہم یہی چاہتے ہیں کہ امریکہ کے زیر سایہ اپنی اقتصادیات اور اپنی فوجی قوت بنائیں' ہمارا حلقہ اشرافیہ اس خیال کو لغو قرار دیتا ہے کہ امریکہ سے لڑ کر ہم اپنے آپ کو بنا سکتے ہیں یا اپنے سے بڑے دشمن کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

تاریخی تناظر میں دیکھیں تو ہماری خارجہ پالیسی ہمیشہ ایک رہی ہے' یہ کہ امریکی خوشنودی حاصل کرو۔ سیکریٹری خارجہ شہریار خان نے کہا ہے کہ انہوں نے پاکستان کی چھ حکومتوں کے تحت کام کیا ہے اور ان سب حکومتوں کی خارجہ پالیسی ایک ہی تھی۔ شہریار خان کے اس بیان میں ہم مزید یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ ماضی کی چھ حکومتوں کی طرح آنے والی حکومتوں کی خارجہ پالیسی بھی امریکہ کے کھونٹے سے بندھی رہے گی اور ہمارے ادھر ادھر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک غلط خیال تھا جو سرد جنگ کے خاتمے کے بعد پھیل گیا کہ اب امریکہ کو پاکستان کی ضرورت نہیں رہی مگر بہت جلد معلوم ہوگیا کہ پاکستان کی جغرافیائی اہمیت اس سے چھینی نہیں جاسکتی اور اس جغرافیائی اہمیت میں نئے حالات میں کچھ اضافہ ہی ہوا ہے۔ بھارت ہماری اس اہمیت کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

ہماری ایک اور فوقیت اپنی فوج ہے جو جدید تربیت یافتہ' بہادر اور وفادار ہے۔ جو کام بھی اسے سونپا جائے' وہ اسے کسی مخمصے میں ٹھہرے بغیر پوری یکسوئی سے انجام دے سکتی ہے۔ یہ فوج برطانوی سامراج کی ستون تھی اور نئے دور میں نیو ورلڈ آرڈر کے لئے قیمتی اثاثہ ہوگی۔ کمبوڈیا' صومالیہ اور خلیج میں اس نے اپنی اہلیت کا شاندار مظاہرہ کیا ہے اور اس متاع گراں بہا کی امریکہ کو آئندہ بھی ضرورت ہے۔ کچھ ہی عرصہ پہلے امریکی سنٹرل کمان کے جنرل جوزف پی ہاور نے امریکہ کو خبردار کیا تھا کہ وہ پاکستانی فوج کی اہمیت کو فراموش نہ کرے۔ واشنگٹن پوسٹ کے ایک مضمون میں انہوں نے لکھا کہ امریکہ کی بے توجہی خطرناک ہے' اس سے آگے چل کر پاکستانی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر نئے آنے والے امریکہ کے قابو میں نہیں رہیں گے اس لئے ہمیں پاکستانی فوج کے ساتھ فوجی ربط بڑھانا ہوگا اور اس فوج کی ضروریات پر توجہ دینی ہوگی' اس کی رفاقت حاصل کرنی ہوگی۔

پاکستان میں امریکہ کے سابق سفیر نکولس پلاٹ نے بھی ایک مضمون میں یہی مشورہ دیا اور اس طرح کے مشورے امریکہ کے مختلف حلقوں سے مسلسل رہے ہیں جن کے نتیجے میں کلنٹن حکومت نے پاکستان کے متعلق نئی پالیسی اختیار کی ہے۔ اس پر بھارت تلملا اٹھا مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ بھارت کو داد دینی پڑتی ہے کہ وہ امریکی دباؤ کا مقابلہ خوب کر رہا ہے اور اس مزاحمت کو وسیع کرنے کے لئے اس نے چین اور ایران کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ بھارت کیا کر رہا ہے اور کیا کرے گا' اس سے قطع نظر پاکستان میں یہ طے ہے کہ ہمیں امریکہ سے لڑنا نہیں ہے کیونکہ نہ لڑنے کی ہم میں سکت ہے نہ ایمانی قوت نہ اخلاقی حالت اور معیشت کی کیفیت تو

درہم برہم ہے ہی۔ ایسے میں جہاد کون کرے گا اور اس طرح کے جہاد کا نتیجہ خودکشی کے سوا کیا ہوگا اس لئے ہمارے اصلی حکمران جو بے نظیر کو لے کر آئے ہیں وہ اسے قائم رکھنا بھی چاہتے ہیں۔ قاضی صاحب اس راز سے آگاہ ہیں اس لئے ان کی بات صحیح ہے کہ پرندے اڑ جانے والے ہیں۔

مگر ایک نئی صورت حال سندھ میں پیدا ہو رہی ہے جو فوج کی قیادت کے لئے بھی پریشان کن ہے۔ ایک طرف پیپلز پارٹی کی قیادت ہے جو سندھ میں سندھی قوم پرستی کے جذبات کے ساتھ بندھی ہوئی ہے جن کے نتیجے میں بی ملیر ضلع کی نئی منصوبہ بندی آئی ہے۔ اس ضلع کے قیام کا اقدام نہ صرف جلد بازی بلکہ پراسرار انداز سے ہوا ہے۔ کراچی میں چار ضلع بیس بیس لاکھ کے بنائے گئے ہیں اور ملیر ضلع صرف چار لاکھ آبادی کا ہے۔ اس سے ملحقہ مہاجر علاقے مثلاً گلشن اقبال' نیو ٹاؤن' پی ای سی ایچ سوسائٹی' خداداد کالونی' شاہ فیصل کالونی' ملیر کالونی اور لانڈھی کورنگی اس میں شامل نہیں کئے گئے ہیں تاکہ مہاجر اس ضلع سے الگ رہیں اور یہ سندھیوں کا ضلع ہو۔ نئے ضلع کا صدر مقام بھی اس کی سرحد کے آخری کونے میں رکھا گیا ہے حالانکہ یہاں بنیادی سہولتوں کا فقدان ہے اور لوگوں کو ضلع کے دفاتر تک آنے جانے میں دشواری کا سامنا ہوگا۔

اصل سکیم یہ ہے کہ آگے چل کر اس ضلع کراچی سے کاٹ کر ٹھٹہ ڈویژن میں شامل کر لیا جائے گا۔ نئے ضلع میں دفاتر' پانی' بجلی اور ٹیلی فون وغیرہ کی سہولتوں کے لئے بھاری رقم خرچ کرنی ہوگی مگر اس کی پروا نہیں ہے کیونکہ آمدنی والے تمام ادارے اس ضلع کی حدود میں شامل کر دیئے گئے ہیں مثلاً کراچی کے چالیس فی صد صنعتی یونٹ اس علاقے میں ہیں۔ نیا قائداعظم انٹرنیشنل ایرپورٹ' پورٹ قاسم' سٹیل مل' مشین ٹول فیکٹری اور ایکسپورٹ پراسسنگ زون سب نئے ضلع میں ہیں۔ مہاجر' پنجابی' پٹھان سب اس ضلع کے قیام کو اپنے خلاف ایک شرارت قرار دے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں ایک زبردست ہڑتال بھی کی گئی مگر حکومت پر کچھ اثر نہیں ہوا اور سندھ کی حکومت کو سندھی قوم پرستی کی اساس پر چلانے پر ادھار کھائے بیٹھی ہے۔

ادھر لندن میں الطاف حسین اور اجمل خٹک کے مذاکرات کامیاب رہے ہیں۔ نواز لیگ' اے این پی اور ایم کیو ایم کے متحدہ محاذ کے معنی پنجابی مہاجر پٹھان محاذ کے ہیں' صوبہ پر جس کے خونی بادل چھا گئے ہیں۔ کچھ بادل برس بھی چکے ہیں اور فساد بڑھتا ہے تو بڑی خانہ جنگی ہوگی۔ اگر فوج شہری علاقوں کو دبانے کے لئے استعمال ہوئی تو اس فوج کے بارے میں مہاجروں پٹھانوں کے خیالات تو ضرور تبدیل ہو جائیں گے' پنجابی بھی اپنی فوج کو سندھی قوم پرستی کے دوش بہ دوش دیکھ کر مشتعل ہوں گے اور اشتعال پنجاب میں بھی رنگ دکھا سکتا ہے اور اس سے ہماری مقتدر قوتوں اور بے نظیر حکومت کے رنگ میں بھنگ پڑ سکتا ہے۔

ملک کے مفاد میں تو یقیناً یہی ہے کہ کچھ اور اتھل پتھل نہ ہو' حکومت جو بھی ہے چلتی رہے اور امریکہ کے ساتھ مذاکرات اور معاملات اپنے منطقی انجام تک پہنچ جائیں تاکہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھ جائے لیکن جب گھر میں آگ لگی ہوگی تو باہر کے حالات کہاں ٹھیک ہوں گے' وہ تو اور بھی خراب ہو جائیں گے۔ خارجہ امور کے سلجھاؤ کے لئے داخلی الجھاؤ کو رفع کرنے کی ضرورت ہے اور سندھ میں نیا الجھاؤ ہی نہیں ایک بڑے ٹکراؤ کا منظر ہے جو ساری منصوبہ بندی غلط کر دے گا اور سارا نقشہ بدل جائے گا اس لئے ہمارے ارباب اقتدار پہلے اس پر توجہ دیں اور سندھ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ازالہ کرنے کی فکر کریں۔ OO

۲۳/مارچ کو یادِ ماضی کا عذاب بے چین کر دیتا ہے

محمد سمیع۔ کراچی

"جوئے بنگلہ" کے بعد اب "جئے سندھ" اور "جئے مہاجر"

وہ یوم جمہوریہ جس میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پرچم سرنگوں رہا

ناظم حلقہ سندھ وبلوچستان محمد نسیم الدین صاحب کے ہمراہ میں اور معتمد حلقہ عبدالرحمٰن منگورہ صاحب ان کی سوزوکی میں اس پکنک پوائنٹ کی طرف رواں دواں تھے جہاں حلقہ نے ۲۳ مارچ کو پکنک کا پروگرام بنایا تھا۔ کراچی کے نواحی دیہات میں سے ایک آبادی میں کے ڈی اے کا ڈملوٹی ریسٹ ہاؤس ہماری منزل تھی۔ شہری علاقے کو چھوڑ کر جب ہم دیہی علاقوں کی طرف مڑتے تو تنگ راستے کی دونوں جانب ملیر کے باغات نظر آئے۔ کہیں پان کا فارم تھا تو کہیں کھجور کے باغات تھے۔ دونوں جانب بستیوں کی آبادی میں اکثریت سندھی بھائیوں کی تھی۔ الیکشن کو گزرے ہوئے زمانہ ہوگیا لیکن دیواروں پر امیدواروں کے اشتہارات لکھے ہوئے نظر آئے۔ بیشتر پیپلز پارٹی کے اشتہارات تھے کچھ سندھ نیشنل فرنٹ کے (ممتاز علی بھٹو صاحب والی)۔ اس کے علاوہ کچھ نعرے جئے سندھ کے جانب سے بھی نظر آئے جن میں ایک نعرہ "بہاری نہ کھپن" بھی تھا۔ ۲۳ مارچ کا وہ موقع یاد آگیا جو غالباً میری زندگی کا خطرناک ترین "جمہوریہ پاکستان" تھا اور جسے ۱۹۷۱ء میں بنگالیوں نے یوم مزاحمت (resistance day) کے طور پر منایا تھا۔

میں اس زمانے میں ایک انشورنس کمپنی کا مشرقی پاکستان مرحوم کے خوبصورت شہر چاٹگام میں برانچ منیجر تھا۔ انہی دنوں بھٹو صاحب نے مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے منتخب ارکان اسمبلی کو دھمکی دی تھی کہ ڈھاکہ میں صدر جنرل یحییٰ خان کے بلائے ہوئے اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے جو رکن اسمبلی ڈھاکہ گیا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ میں اپنی کمپنی کے منیجروں کے کونشن میں شرکت کے لئے آیا ہوا تھا۔ واپسی پر جب میں نے وہاں کے حالات خراب دیکھے تو یہ مناسب نہیں سمجھا کہ اپنی فیملی کو ڈھاکہ میں چھوڑ کر خود چاٹگام چلا جاؤں۔ لہٰذا حالات کے بہتر ہونے کے انتظار میں ڈھاکہ ٹھہر گیا تھا۔ ہمارے علاقائی چیف منیجر کا اصرار تھا کہ میں فوری طور پر چاٹگام کے

لئے روانہ ہو جاؤں لیکن میں نے یہ طے کیا تھا کہ ۲۳ مارچ کے بعد ہی روانہ ہوا جائے کیونکہ اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ اس دن کوئی بڑا ہنگامہ ہو جائے گا۔

عوامی لیگ نے طے کیا تھا کہ اس دن تمام گھروں پر پاکستانی پرچم کی بجائے بنگلہ دیش کا مجوزہ جھنڈا لہرایا جائے گا۔ اس وقت میں ڈھاکہ کی نواحی بستی میرپور میں قیام پذیر تھا۔ اہل محلہ نے یہ طے کیا تھا کہ اگر بنگالیوں نے یہاں بھی بنگلہ دیشی پرچم لہرانے کی کوشش کی تو کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ بنگالی نوجوان جلوسوں کی صورت میں بنگلہ دیشی پرچم لے کر گھوم رہے تھے۔ اہل محلہ کی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور یہاں کسی قسم کا کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا لہٰذا میں نے طے کیا کہ رات کی گاڑی پکڑ کر چاٹگام روانہ ہو جاؤں۔ رات کو میں اپنا سامان لے کر آٹو رکشہ کے ذریعہ جو وہاں بے بی ٹیکسی کہلاتی تھی، روانہ ہوا تو پورا شہر ہیبت ناک منظر پیش کر رہا تھا۔ سخت کشیدگی تھی۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ راستہ میں کسی سے بات نہیں کروں گا تاکہ یہ ظاہر نہ ہو سکے کہ میرا تعلق اردو بولنے والے طبقے سے ہے۔

گرین ایرو نامی ٹرین پکڑ کر میں چاٹگام روانہ ہو گیا اور صبح خاموشی کے ساتھ میں چاٹگام ریلوے اسٹیشن پر اترا تو سیدھا فلیٹ پر گیا جو نالہ پاڑہ میں واقع تھا۔ یہ فلیٹ ہم چند ساتھیوں نے مشترکہ طور پر کرایہ پر لیا ہوا تھا جو سارے ہی تنہا رہ رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ بندرگاہ پر فائرنگ جاری ہے۔ شہر میں شدید کشیدگی تھی۔ ہم ساتھیوں نے فوری طور پر فلیٹ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا کہ وہ بہت مخدوش علاقہ تھا۔ کیفے دہلوی کے پاس متین بلڈنگ تھی جس کے مالک متین صاحب ہمارے ایک ساتھی کے دوست تھے۔ لہٰذا ہم سب اس بلڈنگ میں منتقل ہو گئے۔ رات کو ریڈیو سے خبر ملی کہ آرمی آپریشن شروع کر دیا گیا ہے۔ پورے شہر پر بنگالیوں کا قبضہ تھا۔ مقامی کینٹونمنٹ سے فوج باہر نہیں نکل پائی تھی کہ تمام راستوں کو کاٹ کر رکھ دیا گیا اور رکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں تھیں۔

شہر میں سلاٹر ہاؤس کے قیام کی خبریں مل رہی تھیں۔ جہاں کہیں غیر بنگالیوں نے مزاحمت کی ان کو یا تو گولی مار دی گئی یا پکڑ کر سلاٹر ہاؤس لیجایا گیا جہاں وہ پر تشدد طریقہ سے ذبح ہوئے۔ بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے دو ساتھی جو شہر کے مختلف علاقوں میں رہتے تھے ان کے ہتھے چڑھ گئے اور ان میں سے ایک میمن دوست کو ڈاکٹری سرنج کے ذریعہ اس کے جسم سے خون کھینچ کر مارا گیا۔ جس بلڈنگ میں ہم مقیم تھے، اس میں دوبار بنگالی نوجوان تلاشی لینے کے لئے آئے جن کی قیادت ایک مقامی ہندو نوجوان کر رہا تھا۔ ہم نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ ہمارے ساتھ ایک صاحب تھے جنہیں شکار کا بے حد شوق تھا لہٰذا ان کے پاس ایک شکاری بندوق اور کئی ہزار کارتوس تھے۔ یہ سب کچھ ان لوگوں کے حوالے کر دیا گیا۔

اسی اثناء میں خبر ملی کہ کومیلا کینٹونمنٹ سے فوج شہر میں داخل ہو چکی ہے۔ پھر یا تو یہ عالم تھا کہ بنگالی ہر جگہ چھائے ہوئے تھے یا یہ ہوا کہ گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوئے۔ فوج نے آپریشن شروع کیا۔ یہ سلسلہ کئی دنوں تک چلتا رہا۔ رفتہ رفتہ حالات قابو میں آگئے تو ہم متین بلڈنگ سے باہر نکلے۔ شہر میں جگہ جگہ لاشیں نظر آ رہی تھیں، عجیب وحشت ناک ماحول تھا۔ مجھے فوری طور پر یہ فکر لاحق ہوئی کہ کسی طرح واپس ڈھاکہ پہنچوں۔ کچھ نقد رقم ساتھ رکھی اور ایئرپورٹ کے چکر لگانے شروع کر دیئے۔ دوسرے دن پتہ چلا کہ فلائٹ شروع ہو گئی ہے۔ میں نے چاہا کہ ٹکٹ بک کروالوں لیکن معلوم ہوا کہ ہوائی جہاز ایئرپورٹ پر موجود ہے، جسے جانا ہو ٹکٹ خریدے اور ہوائی جہاز میں بیٹھ جائے۔ جہاز میں بیٹھا تو اعلان ہوا کہ دوران سفر کھانے پینے کی کوئی شے نہیں دی جائے گی اور نہ ہی کوئی مسافر سیٹ کو چھوڑے گا۔ ہوائی جہاز کا وہ سفر ہمیشہ یاد رہے گا۔ پرواز بہت ناہموار تھی جیسے موسم کی خرابی کے باعث اس علاقے میں اکثر رہا کرتی ہوگی۔ تین چار سیکورٹی والے چاق و چوبند کھڑے تھے۔

ڈھاکہ ایئرپورٹ پر اترا تو شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا۔ جیسے ہی کرفیو میں وقفہ ہوا، میں آٹو رکشہ پکڑ کر گھر پہنچا۔ گھر والوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ انہوں نے تو اپنے تئیں یہ سمجھ لیا تھا کہ میں زندہ نہیں بچا ہوں۔ میں تو زندہ پہنچ گیا لیکن اس رقص ابلیس کے دوران ہزاروں افراد لقمہ اجل بن چکے تھے۔ ان میں غیر بنگالی بھی تھے اور بنگالی بھی، فوجی بھی تھے اور سویلین بھی۔ کسے قصوروار ٹھہرایا جائے کہ سب ہی مسلمان تھے، نام نہاد مسلمان۔ ایسے مسلمان کہ جب کراچی میں فسادات ہوئے تو اندرا گاندھی نے کہا کہ "جنت میں فرشتے ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں"۔

اس کے بعد کا یوم آزادی بھی نہیں بھولا۔ ۱۴ اگست کے دن اپنے گھر کے سامنے میں نے ٹھیک اسی انداز میں پرچم لہرایا تھا جس انداز میں قصر صدارت کے سامنے لہرایا جاتا ہے۔ اپنی دانست میں ہم بنگالیوں پر اپنی حب الوطنی کا دھونس جما رہے تھے۔ کیا پتہ تھا کہ یہ پرچم ۱۶ دسمبر ۷۱ء کو ہمیشہ کے لئے اس سرزمین میں سرنگوں ہو جائے گا۔ ہوس اقتدار نے یہ دن بھی دکھایا۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ اقتدار کی ہوس میں لوگ اندھے ہو رہے ہیں۔ سنگین سیاسی محاذ آرائی کا ماحول ہے۔ پہلے پختونستان کا نعرہ تھا پھر جئے سندھ کا نعرہ بلند ہوا پھر جئے مہاجر کا اور اب تقسیم سندھ کی باتیں ہو رہی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ جب بنگالی نوجوان "جوئے بنگلہ" کا نعرہ لگاتے تھے تو ہمارے بزرگ کہتے تھے کہ کیسے مسلمان ہیں کہ ہندوانہ نعرہ لگاتے ہیں اور جیسا ہمارے نوجوان جئے سندھ اور جئے مہاجر کا نعرہ لگاتے ہیں تو ہمیں اس پر فخر ہوتا ہے۔ ہوس اقتدار کے نتیجے میں ہمیشہ لاشوں کے ڈھیر ہی لگے ہیں۔ کبھی بنگلہ دیش میں آرمی آپریشن ہوا تھا اور اب سندھ اس آپریشن کی زد میں ہے گو کہ اس آپریشن کی نوعیت اس آپریشن سے مختلف ہے۔ ایسے میں دل سے دعا نکلتی ہے کہ "میرا دیس بچا لے اے مولا" اور یہ کہ "یارب میرے وطن کا پرچم بلند رکھنا" آپ بھی دعا کریں کہ اس قوم کو پیغمبر انقلاب ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والا قائد اور مصعب بن عمیرؓ جیسا پرچم بردار میسر آجائے۔ OO

استحکام پاکستان

اور مسئلہ سندھ

ہر دردمند پاکستانی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے

قیمت ۲۵ روپے

ملنے کا پتہ: انجمن خدام القرآن

۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

مرتبہ: نثار احمد ملک

سابقہ اور موجودہ مُسلم اُمتوں کا موازنہ

یقین سا ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا آغاز ہمارے اسی علاقے سے ہوگا

(لاہور کے پہلے خطبۂ خلافت کی چوتھی اور آخری قسط)

اب ہم اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں امت مسلمہ کی تاریخ کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس امت پر بھی چار دور بعینہ آچکے ہیں جو کہ تاریخ بنی اسرائیل کے حوالے سے بیان کئے گئے ہیں۔ امت مسلمہ کا پہلا دور عروج عربوں کی زیر قیادت آیا۔ اس پہلے دور میں خلافت راشدہ کا سنہری دور بھی شامل ہے۔ اس کے بعد خلافت راشدہ ختم ہو گئی اگرچہ مسلمانوں کی حکومت موجود رہی ہے۔ اس کے بعد پہلا دور زوال صلیبیوں کے ہاتھوں آیا۔ ۱۰۹۹ء میں یروشلم ہاتھ سے نکل گیا اور لاکھوں مسلمان قتل ہوئے۔ اس کے بعد ۱۲۵۸ء میں وہ فتنہ تاتار آیا جس میں کروڑوں مسلمان قتل کر دیئے گئے۔ عظیم مملکت تہس نہس کر دی گئی۔ چنانچہ ۱۲۵۸ء میں سقوط بغداد ہوا۔ بنو عباس کے آخری خلیفہ کو محل کے اندر سے گھسیٹ کر نکالا گیا' جانوروں کی کھال میں لپیٹ کر گھوڑوں کے سموں تلے کچلوا دیا گیا۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے مرثیہ کہا تھا۔

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

دونوں امتوں کی تاریخ میں کتنی گہری مشابہت ہے' یوں محسوس ہوتا ہے جسے کاربن کاپی ہو۔ وہاں پہلے شمال سے آشوری آئے تھے جبکہ یہاں پہلے یورپ یعنی شمال سے صلیبی آئے۔ وہاں مشرق سے کلدانی آئے تھے جبکہ یہاں مشرق سے تاتاری آئے۔ وہاں لاکھوں انسانوں کا خون بہایا گیا جبکہ یہاں کروڑوں انسان تہ تیغ ہوئے۔ یہاں کروڑوں کا معاملہ اس لئے ہوا کہ اس امت کی وسعت سابقہ امت مسلمہ سے کہیں زیادہ ہے لہٰذا نسبت و تناسب کو سامنے رکھا جائے تو بات وہیں پہنچ جاتی ہے۔

اس زوال کے بعد ہمارا دور عروج شروع ہوا۔ ۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

جن کے ہاتھوں پٹوایا تھا انہی کے ہاتھ میں اپنے دین کا پرچم تھما دیا۔ یہ دوسرا عروج سلطنت عثمانیہ کا دور ہے۔ چار سو برس تک خلافت کا ادارہ بھی قائم رہا۔ یہ ملکی سلطنت کا دور ہے۔ پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا۔ ۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

سابقہ امت مسلمہ پر بھی عذاب کا دوسرا مرحلہ یورپی اقوام کے ہاتھوں آیا تھا' موجودہ امت پر بھی European Imperialism کا دور آیا۔ سابقہ امت مسلمہ کے لئے پہلے یونانی آئے پھر رومی آئے جبکہ ہم پر ولندیزی' انگریز اور اطالوی آئے۔ جو چار ادوار سابقہ امت مسلمہ پر نبی اکرم ﷺ کی بعثت تک مکمل ہوئے تھے وہ اس امت پر رواں صدی کے آغاز میں پورے ہو گئے۔ سابقہ امت مسلمہ کے لئے بھی کہہ دیا گیا تھا کہ "وان عدتم عدنا" اگر تم باز نہیں آؤ گے تو ہم تم کو سزا پر سزا دیتے رہیں گے۔ چنانچہ ان کی سزا جاری رہی یہاں تک صرف اسی صدی میں ساٹھ لاکھ یہودیوں کو ہٹلر نے قتل کیا۔ انسانی تاریخ میں پہلے اس طرح نہیں ہوا کہ لاشوں کو تلف کرنے کے لئے پلانٹ بنائے گئے ہوں۔ ایک طرف سے gas chamber میں لوگ داخل ہو رہے ہیں' کپڑے اتروا لئے گئے ہیں' ننگے داخل کئے جا رہے ہیں اور مرتے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد پٹوں کے اوپر لاشیں جا رہی ہیں اور آگے جا کر مشینیں ان لاشوں کو چارے کی طرح کاٹ رہی ہیں--- بعد میں انہیں کیمیکل سے Treat کیا جاتا' اس لئے کہ اتنی لاشوں کو Dispose off کیسے کیا جائے کون اتنی قبریں کھودے اور کون جلانے کی مصیبت سر لے۔ آخر میں ان پلانٹوں سے ایک سیاہ بدبودار مائع نکلتا تھا جس کو وہ اپنے کھیتوں میں کھاد کے طور پر پہنچا دیتے تھے!

یہ اسی صدی کی بات ہے۔ اس ضمن میں جو تلخ ترین بات مجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی "کاربن کاپی" ابھی امت مسلمہ پر آنے والی ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کی حدیث جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مغربی استعماریت سے نجات دی ہے لیکن اس میں بھی ہمارا بہت بڑا امتحان ہے۔ عہد غلامی میں ہم کہہ سکتے تھے کہ ہم انگریزوں' فرانسیسیوں اور اطالویوں کے غلام ہیں۔ لیکن اب غلامی ختم ہو گئی ہے۔ غلامی کے خاتمے کے باوجود دنیا میں ایک ملک بھی ایسا نہیں ہے جس نے اس نظام کو قائم کر لیا ہو جو محمد رسول اللہ ﷺ کی امانت و وراثت کی حیثیت سے ہمارے پاس ہے۔ لہٰذا اس امتحان میں ناکامی کا نتیجہ تو نکلنا ہی ہے۔

خروج دجال بھی سامنے کی بات ہے greater اسرائیل یہودیوں نے قائم کرنا ہے۔ ان کے نقشے میں پورا شمالی حصہ جو تقریباً آدھا جزیرہ نمائے عرب ہے' موجود ہے۔ مدینے سمیت مصر کے پورے زرخیز علاقے پر ان کا claim ہے۔ عراق میں وہ اسیری میں رہے ہیں لہٰذا اس پر بھی ان کا دعویٰ ہے اور شام تو ان کا ارض موعود ہے۔ ترکی کا مشرقی حصہ بھی ان کے نقشے میں شامل ہے۔ ایک طرف ان کے یہ عزائم ہیں اور دوسری طرف کوئی مزاحمت سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ عالم عرب میں سے کسی میں دم ہے؟ عراق کے ذرا کچھ "ایٹمی دانت" نکلنے کا اندیشہ ہو گیا تھا لہٰذا اسرائیل نے سعودی عرب کی فضائی حدود میں سے ہو کر عراق کے ایٹمی ری ایکٹر تباہ کر دیئے اور جو کسر باقی رہ گئی تھی وہ خلیج کی جنگ میں نکل گئی۔ فوجی جنرل شواز کراف نے صاف کہا ہے کہ ہم نے یہ جنگ لڑی ہی اسرائیل کی حفاظت کے لئے ہے۔۔

نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں
فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

حدیث مبارکہ میں جس جنگ اعظم یعنی "الملحمۃ العظمیٰ" کا ذکر ہے اس کے بارے میں یہ الفاظ بھی

آتے ہیں کہ اتنے انسان قتل ہوں گے کہ ایک پرندہ اڑتا چلا جائے گا لیکن اسے سوائے لاشوں کے اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔ یہاں تک کہ وہ تھک ہار کر جب گرے گا تو لاشوں پر ہی گرے گا! الملحمہ العظمی ' خروج دجال اور دجال سے مراد کیا ہے-؟- ایک چیز دجالی فتنہ ہے' اس کا مفہوم کچھ اور ہے۔ اس فتنے میں تو ہم سب ہی اس وقت مبتلا ہیں۔ ایک " المسیح الدجال " ہے۔ یہ درحقیقت ایک یہودی ہوگا۔ اس کا دعویٰ یہ ہوگا کہ میں مسیح ہوں۔ یہ دعویٰ اس بنیاد پر کرے گا کہ یہود کے ہاں حضرت مسیح کے بارے میں پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ یہودی انہیں اپنا نجات دہندہ تصور کرتے آرہے تھے۔ وہ نجات دہندہ حضرت مسیح ابن مریم تھے جن کی بعثت ہوگئی لیکن یہود نے ان کا انکار کر دیا اور اپنی طرف سے ان کو سولی پر چڑھا دیا۔ لہٰذا ان کی جگہ ابھی خالی ہے۔ اب کوئی شخص یہود میں سے "گریٹر اسرائیل" قائم کرنے کا عزم مصمم لے کر اٹھے گا۔ اس کے راستے میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ صدام حسین کو تو امریکہ نے اس لئے رکھا ہوا ہے کہ اگر اسے ہٹا لیا گیا تو پھر ایران کے آگے بڑھنے کو روکنے والی کوئی طاقت نہیں رہے گی۔ صدام حسین محض اپنی قوت سے اب تک کرسی اقتدار پر موجود نہیں ہے' اس کی اپنی تو کوئی حیثیت نہیں ہے۔

مسیح الدجال کا خروج ہوگا اس لئے کہ ساری خبریں موجود ہیں۔ اس کے بعد یہ ہوگا کہ۔

خون اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

اب خون اسرائیل کو نہیں بلکہ خون اسمٰعیل کو جوش میں آنا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے حضور ﷺ تھے اور حضور ﷺ کی امت میں سے ہی وہ عظیم قائد اٹھے گا جو مہدی کے نام سے مشہور ہے۔ قائد کا لفظ استعمال کیا ہے ظہور مہدی کا نہیں' اس لئے کہ اس میں یہ شک پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اہل تشیع کے چھپے ہوئے امام ہیں۔ اہل سنت کا یہ تصور نہیں ہے۔ اہل تشیع کے بارہویں امام غائب ہیں جن کا بقول ان کے ظہور ہوگا۔ ہمارے نزدیک عالم عرب سے ایک قائد ابھرے گا۔ ان کی قیادت میں مسلمان صالحین وہ جنگ کریں گے کہ آسمان سے بھی مدد آئے گی' حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا۔ یہ اصل عیسیٰؑ ہوں گے جو اس جعلی عیسیٰ کو مقام لد پر قتل کریں گے۔ یہی وہ مقام ہے جو اس وقت "لڈا" کے نام سے اسرائیل کا سب سے بڑا "Air Base" ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ صلیب توڑ دیں گے گویا صلیب کا عقیدہ ختم کر دیں گے۔ وہ کہیں گے کہ مجھے تو کسی نے صلیب نہیں چڑھایا' مجھے تو اللہ تعالیٰ لے گیا تھا' اللہ نے ہی دوبارہ اتار دیا۔ تمہارا یہ عقیدہ باطل ہے۔ اس کے علاوہ آپ خنزیر کو قتل کر دیں گے گویا خنزیر کو حرام قرار دے دیں گے۔ شریعت موسویؑ اور شریعت محمدیؐ مل کر پوری دنیا پر اسلام کا غلبہ ہوگا۔

لیکن اس سے پہلے بہت بڑی سزا امت محمد اور بالخصوص اس کے افضل حصے کو مل کر رہے گی۔ اس لئے کہ ع

جن کے رتبے ہیں سوا' ان کی سوا مشکل ہے۔

ان کا درجہ بلند ہے۔ حضور ﷺ ان میں سے تھے۔۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ایک اور فضیلت انہیں یہ حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ان کی زبان میں نازل ہوئی۔ ہمیں قرآن کو سمجھنے کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے جبکہ عربی ان کی مادری زبان ہے۔ جہاں تک غیر عرب مسلمانوں کا تعلق ہے تو اس وقت دنیا میں ایک ارب تیس کروڑ مسلمان ہیں جن میں سے ایک ارب غیر عرب مسلمانوں پر مشتمل ہیں۔ عرب مسلمانوں کی تعداد پچیس کروڑ سے زیادہ نہیں ہے۔ اب ان غیر عرب مسلمانوں میں سے بھی چالیس کروڑ جنوبی ایشیا میں' برعظیم پاک و ہند میں رہتے ہیں۔ ان چالیس کروڑ میں سے دس کروڑ مسلمانان پاکستان ہیں۔ دس' گیارہ کروڑ بنگلہ دیش میں ہوں گے جبکہ بھارت میں کم از کم اٹھارہ کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ عالم اسلام میں ثقافتی مراکز بھی دو ہی رہے ہیں۔ عربوں کے لئے ثقافتی مرکز مصر اور عجمی مسلمانوں کے لئے برعظیم رہا ہے۔ ایک ہزار سال تک سارے مجددین عالم عرب میں پیدا ہوئے جبکہ چار سو سال سے سارے مجددین یہاں پیدا ہوئے۔

اسلام کے نام پر تحریک اس برصغیر میں چلی جس کا نتیجہ پاکستان کا قیام ہے۔ میں پاکستان کے بارے میں گومگو کی کیفیت میں ہوں۔ ایک اعتبار سے پوری امت مسلمہ میں عربوں کے بعد ہم سب سے بڑے مجرم ہیں۔ اس لئے کہ ان کے بعد فضل بھی سب سے زیادہ ہم پر ہوا۔ بیسویں صدی عیسوی میں عظیم شخصیات یہاں سے ابھریں۔ علامہ اقبال جیسا مفکر یہاں پیدا ہوا' جس کے پائے کی شخصیت پورے عالم اسلام میں پیدا نہیں ہوئی۔ پوری دنیا میں صرف ایک ملک ایسا ہے جو اس دور میں اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا۔ پاکستان کا قیام معجزہ سے کم نہیں ہے۔ چند مہینے پہلے جو گاندھی یہ کہہ رہا تھا کہ پاکستان میری لاش پر ہی بن سکتا ہے' اسے پاکستان کو تسلیم کرنا پڑا۔ بہرحال پاکستان کے بارے میں یہی کچھ کہہ سکتا ہوں کہ

"Hope for the best and be prepared for the worst"

ایک بات میں تیقن سے جانتا ہوں کہ خلافت کا احیاء یہاں سے شروع ہوگا۔ اس لئے پوری اسلامی دنیا میں صرف اور صرف یہ ایک ملک ایسا ہے جس میں قرارداد مقاصد منظور ہوئی اور ایک کروڑ عوام کی اسمبلی نے اعلان کیا کہ ہم حاکمیت سے دستبردار ہوتے ہیں۔ حاکمیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ہمارے پاس جو بھی اختیارات ہیں وہ ایک امانت ہیں اور یہ انہی حدود کے اندر اندر استعمال ہوں گے جو اس اصل حاکم نے مقرر کر دی ہیں۔ باقی دنیا کے تمام ممالک کے دساتیر میں زیادہ سے زیادہ یہی لکھا ہوتا ہے کہ اس ملک کا سرکاری مذہب فلاں ہے' یہ بڑے ہی محدود الفاظ ہیں۔

تبدیلی تو یہاں سے ہی آئے گی لیکن اس کی صورت تین میں سے ایک ہوگی۔ پہلی صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ Hope for the best یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کی توفیق دے دے اور بغیر کسی مزید عذاب اور سزا کے ہم تائب ہو جائیں۔ یہ تائب ہونے والے اتنی معتد بہ تعداد میں ہوں کہ جمع ہو کر یہاں پر انقلاب برپا کر سکیں۔ معدودے چند کی توبہ سے کام نہیں بنے گا۔ اب اس کے لئے دعا کی جا سکتی ہے۔ اس توبہ کا آغاز بہرحال افراد سے ہی ہوگا۔۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

عذاب کا ایک کوڑا پچیس سال پہلے ہم پر برس چکا ہے۔ ہم اس عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ تاریخ سے ہم نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پچیس سال کی مہلت دی ہے۔ عذاب کا وہ کوڑا کوئی معمولی تو نہیں تھا۔ بدترین شکست ہوئی اور پاکستان دولخت ہوا۔ ۹۳ ہزار فوجی اس ہندو کی قید میں گئے جس پر آٹھ سو برس تک حکومت کی تھی۔ حالات اس طرف جارہے ہیں کہ تاریخ ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو دہرا جائے!۔ کسی قوم پر جب عذاب کے آثار

شروع ہو جاتے ہیں تو پھر یہ نہیں ٹلا کرتا۔ پوری تاریخ انسانی میں ایک ہی مثال ہے کہ کسی قوم پر عذاب کے آثار نمایاں ہو چکے ہوں لیکن پوری قوم اجتماعی توبہ کرے جس کے نتیجے میں وہ عذاب ٹل جائے۔ یہ مثال قوم یونسؑ کی ہے۔ یہی ایک راستہ مسلمانان پاکستان کے لئے بھی ہے کہ اجتماعی توبہ کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کو پورا کریں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو کوئی پہلے سے بھی بڑا کوڑا ہماری پیٹھ پر برسے گا۔ اگر اس سے ہم ہوش میں آ جائیں تو یہ بڑا مبارک کوڑا ہو گا اور یہی دوسری صورت ہو گی۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ "**ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون**" ہم انہیں اس آخری بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزا چکھائیں گے شائد کہ لوٹ آئیں۔!۔ چھوٹے عذاب کا ایک کوڑا ہم پر پڑا تھا لیکن وہ ہزار میل دور ہونے کی وجہ سے ہم نے محسوس ہی نہیں کیا۔ کتنے لوگ مرے، کتنوں کی عصمتیں لٹ گئیں اور کتنے گھر اجڑے، اس کا ہمیں اندازہ نہیں۔ اڑھائی تین لاکھ ابھی تک وہاں پڑے ہیں، ایک ایک کمرے میں پندرہ پندرہ انسان رہ رہے ہیں!

اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں "Fresh release of existance" دی تھی۔ اگر "نکسن" کے دل کو اللہ نہ موڑ دیتا اور اس کا "Hot line" پر بھارت کو "ultimatum" نہ ہوتا اور کوسیجن کا اندرا گاندھی کو حکم نہ ہوتا تو پھر جو تباہی آنی تھی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام انسانوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے مابین ہیں، وہ جہاں چاہتا ہے موڑ دیتا ہے۔ ان کا morale آسمان پر تھا۔ جبکہ ہمارا پاتال پر۔ ہماری Air force مفلوج ہو چکی تھی۔ ہمارا جہاز تو حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ روس نے بھارت کو جو آواکس طیارے دیئے تھے ان کے ذریعے، پاکستان میں اگر چڑیا بھی اڑتی تھی تو بھارت کو معلوم ہو جاتا تھا۔ ہماری نیوی کو وہ کیماڑی میں مار گئے تھے۔ ہمارا land defence ٹوٹ چکا تھا سوائے ہیڈ سلیمانکی کے۔ شکر گڑھ اور راجھستان کا ہمارا محاذ ٹوٹ چکا تھا۔ ان حالات میں مغربی پاکستان کا محفوظ رہ جانا اللہ تعالیٰ کی مشیت کا مظہر ہے۔

پاکستان کے حوالے سے تیسری اور آخری بات بڑے بھاری دل کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ بھارت میں ہندومت کا احیاء بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔ ایودھیا کی مسجد گرانے کے لئے بھارت کے کونے کونے سے تین لاکھ کارکن پہنچے ہیں۔ ان کے ڈسپلن کا عالم یہ ہے کہ ہندوستان کے کونے کونے سے جمع ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کا بال تک بیکا نہیں کیا۔ یہ انتہائی نظم و ضبط کا مظاہرہ تھا ورنہ محض ہجوم کو قابو میں رکھنا ممکن نہیں۔ یہ اعلیٰ تربیت یافتہ اور منظم کارکن تھے۔ ان کا مقصد ایک تھا اور وہ تھا مسجد گرانا، وہ گرائی اور واپس آ گئے! فسادات تو بعد میں ہوئے جب مسلمانوں نے احتجاجی تحریک چلائی۔ میں یہ حقائق عرصہ چھ سال سے بتا رہا ہوں۔ آر ایس ایس میں ۲۵ لاکھ کارکن موجود ہیں۔ ان سب کا مقصد اسلام اور پاکستان کا خاتمہ ہے۔ حال ہی میں ان کے تیسرے گرو "دیوداس" نے ہندوستان کی تمام ہندو سماجی، علمی، سیاسی اور غیر سیاسی تنظیموں کو ایک سرکلر بھیجا ہے۔ اس میں اس نے کہا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ہندوستان کی زمین کو مسلمانوں کی نجاست سے پاک کر دیں۔ اس گرو نے مزید لکھا کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر کچھ اور وہاں ہو گا تو وہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں ہو گا جس کی ہمیں پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ باقی پورے عالم اسلام میں کہیں رد عمل نہیں ہو گا۔ اس نے یہ الفاظ استعمال کیوں کئے ہیں کہ "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں"--؟ اس لئے کہ ایودھیا کی مسجد کی تندیم پر پورے عالم اسلام میں ان دو ممالک، پاکستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ کہیں رد عمل نہیں ہوا۔ کسی مسلمان ملک نے یہ تک نہیں کہا کہ مسجد دوبارہ تعمیر کرو ورنہ ہمارے تمہارے ساتھ تجارتی تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ سفارتی تعلقات توڑنا تو دور کی بات ہے، اگر صرف امارات، سعودی عرب اور کویت کی دھمکی آ جاتی کہ ہم تجارتی تعلق منقطع کر رہے ہیں تو بھارت کے ہوش ٹھکانے آ جاتے---- یہ تیسری صورت ہے جو بدترین ہو گی۔

ایک طرف صورت حال یہ ہے کہ ہندومت کا احیاء تیزی سے ہو رہا ہے، دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ ہم بدترین انتشار کا شکار ہیں۔ الیکشن میں دینی، مذہبی سیاسی جماعتوں کا جو حشر ہوا وہ ہم سب کے سامنے ہے لیکن کوئی پتہ نہیں کہ تاریخ ایک دفعہ پھر اپنے آپ کو دہرا جائے۔ ہندو قوم کے ہاتھوں ہمارا تہس نہس کرا کے اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے دے۔۔۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

مجھے یقین ہے کہ خلافت کا احیاء اسی خطے سے ہو گا۔ ایک سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے کہ کب ہونا ہے۔؟ میں کیا جواب دوں گا جبکہ قرآن میں حضور ﷺ سے کہلوایا گیا کہ "**ان ادری اقریب ام بعید ما توعدون**" میں نہیں جانتا جس بات کی تمہیں خبر دی جا رہی ہے، جو وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے۔ سورۂ جن میں آیا ہے "**وان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا**" کہ جس چیز کی خبر دی جا رہی ہے، جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب آ چکا ہے یا ابھی تمہارا رب اس کے اندر کوئی تاخیر کرے گا۔

اب میں اپنے اس یقین کی تائید میں دو حدیثیں پیش کر رہا ہوں۔ ایک حدیث حضرت عبداللہ ابن حارثؓ سے ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ "مشرق سے فوجیں نکلیں گی جو مہدی کی حکومت قائم کرنے کے لئے منزل پر منزل مارتی چلی آئیں گی۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرق کے کسی علاقے میں وہ نظام خلافت پہلے قائم ہو چکا ہو گا۔ دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور اسے امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے۔ " خراسان کے علاقے سے سیاہ علم چلیں گے، انہیں کوئی لوٹا نہیں سکے گا جب تک کہ وہ ایلیا میں جا کر نصب نہ ہو جائیں۔" ایلیا حضور ﷺ کے زمانے میں یروشلم کا نام تھا۔ خراسان اس علاقے کا نام ہے جس کا کچھ حصہ اس وقت پاکستان میں ہے اور زیادہ حصہ افغانستان میں ہے۔ گویا یہی علاقے ہیں جہاں سے خلافت کا آغاز ہو گا۔

بظاہر احوال بہتری کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ عربوں کے بعد سب سے بڑی مجرم قوم مسلمانان پاکستان ہیں۔ اس وقت پاکستان ننگے سیکولرزم کی طرف جا رہا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قومی شناختی کارڈ پر مذہب کا خانہ تک درج نہیں ہو سکا، اس لئے کہ یہ بات عیسائیوں کو پسند نہیں ہے یہاں تک کہ پوپ صاحب بھی بول پڑے ہیں اور یہ سب آوازیں اس ملک میں اٹھ رہی ہیں جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔

جیسا کہ اس سے پہلے کہا گیا ہے کہ کتب احادیث میں کتاب الفتن و کتاب الملاحم سے مراد جنگوں کا باب ہے۔ ان میں خاص طور پر "**الملحمۃ العظمی**" کا ذکر

ملتا ہے جو تاریخ انسانی کی عظیم ترین جنگ ہو گی۔ اس کے علاوہ احادیث میں "علامات قیامت" "خروج دجال" عرب میں قیادت مہدی کا ظہور' مشرق سے فوجوں کی آمد' آسمان سے حضرت مسیحؑ کا نزول' اس کے نتیجے میں یہود کا استیصال اور پھر عالمی سطح پر اسلام کے نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ میں نے اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ یہ وہ حالات ہیں جو میرے اندازے میں تو زیادہ دور نہیں ہیں' قرائن و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ بہت قریب پہنچ چکا ہے۔ ایک بڑا پیارا شعر ہے

حق - میری دسترس سے باہر ہے
حق کے آثار دیکھتا ہوں میں

ذات باری تعالیٰ کو کس نے دیکھا ہے۔؟ اللہ تعالیٰ کو اس کی آیات سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح جو پیش آنے والے حالات ہیں اور قیامت سے قبل کی جو علامات ہیں نبی اکرم ﷺ نے وضاحت سے بیان کی ہیں۔ دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے جیسے وہ بساط بچھ رہی ہے' جیسے کسی ڈرامے کے لئے سٹیج تیار کیا جاتا ہے اور اس کے لئے سامان فراہم کیا جاتا ہے۔

جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ در حقیقت دو مسلمان امتوں کی سزاؤں کی وہ آخری قسطیں ہیں جو کہ آنے والی ہیں۔ ایک اصولی بات سمجھ لی جائے کہ تاریخ میں جو بڑے بڑے حادثات و واقعات رونما ہوتے ہیں ان کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ظاہر میں کون کون سی قوتیں اور عوامل کارفرما ہیں' باطن میں اصل حقیقت کیا ہے' مشیت ایزدی کس طور سے اپنا ظہور کر رہی ہے' یہ دو چیزیں بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بسا اوقات ظاہری اعتبار سے جن چیزوں کی' جن واقعات و حادثات کی بہت اہمیت ہوتی ہے باطنی اعتبار سے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ جن امور کی باطنی اعتبار سے اصل اہمیت ہوتی ہے وہ ظاہری اعتبار سے اہمیت کے حامل نہیں ہوتے۔ اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ جن حالات میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی ہے اس وقت کی دنیا نے کیا سمجھا ہو گا' دنیا کے ایک چھوٹے سے کونے میں' جزیرہ نمائے عرب کے لق و دق صحرا میں ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا ہے۔ وہاں ایک انقلاب برپا ہوا لیکن دنیا پر اس کا فوری اثر کیا ہوا ہو گا۔ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی وسیع و عریض دنیا آباد تھی۔ لیکن معنوی اعتبار سے کتنا عظیم واقعہ تھا۔

نکلے تری تلاش میں' قافلہ ہائے رنگ و بو
آیۂ کائنات کا معنی دیر یاب تو

معنوی اعتبار سے یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت انبیاء و رسل کے سلسلے کا خاتمہ اور تکمیل ہے۔ اس کی بنیاد پر روئے ارضی پر کتنا بڑا انقلاب برپا ہوا۔؟ اگرچہ اس وقت کے حالات و واقعات میں کچھ دوسری قوتیں زیادہ موثر نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں باطنی معاملہ تو مشیت ایزدی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو قانون اور سنت ہے در حقیقت یہ اس کا ظہور ہو رہا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل کہا گیا ہے کہ مسلمان امتوں پر بھی عذاب آتا ہے' عام طور پر کافروں سے بڑھ کر عذاب آتا ہے۔ کفار کے ضمن میں بھی یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ وہ کافر جن کی طرف براہ راست کوئی رسول آیا ہو' اس رسول نے اتمام حجت کر دیا ہو' ایسے کافروں کو کوئی رعایت نہیں ملتی لیکن ان کے علاوہ وہ کفار جن کی طرف کسی رسول نے اتمام حجت نہیں کی' ان پر دنیا میں کوئی عذاب نہیں آتا' ان کا سارا معاملہ آخرت میں ہی چکایا جائے گا۔ اس دنیا میں سزا رسولوں کی امتوں کو ان کے اعمال اور قول و فعل کے تضاد کی بنیاد پر ملتی ہے۔ سورۂ صف میں آتا ہے " **يا ايها الذين امنوا لم تقولون مالا تفعلون' كبر مقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون** " اے اہل ایمان کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے غضب کو بڑھا دینے والی ہے یہ بات کہ تم کہو جو کرتے نہیں ہو۔

اس بات کا تجزیہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ ایک قوم مدعی ہے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں' رسول کو مانتے ہیں' اس کی کتاب کو مانتے اور شریعت کو مانتے ہیں۔ یہ سب کچھ ماننے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے یا عمل کرتے ہیں تو جزوی طور پر کرتے ہیں۔ ظاہری طور پر یہ کہا جائے گا کہ ہم جزوی طور پر ہی سہی عمل تو کرتے ہیں' ان سے تو بہتر ہیں جو سرے سے اس کو مانتے ہی نہیں --- ہماری سوچ کے پیمانے یہ ہیں۔ ہم محمد ﷺ کے نام لیوا تو ہیں۔ "جو کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوب کی امت میں ہیں۔!"۔ ہم سمجھتے ہیں ہمارا کریڈٹ ہونا چاہئے۔ قرآن حکیم اس کے بالکل برعکس قانون بیان کرتا ہے۔ جب کوئی مسلمان قوم مکمل شریعت کی بجائے اس کے صرف کسی جز پر عمل کرتی ہے تو ایسی قوم اللہ کے شدید ترین عذاب کی مستحق ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۸۵ میں یہ قانون بیان ہوا ہے۔ فرمایا " **افتو منون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض** "کیا تم ہماری کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے۔ وہی کتاب ہے جس کے کچھ احکام سر آنکھوں پر اور کچھ احکام پاؤں تلے روند رہے ہو۔ آگے فرمایا " **فما جزاء من يفعل ذالك منكم الا خزى فى الحيوة الدنيا ويوم القيامة يردون الى اشد العذاب** " تو تم میں سے جو کوئی بھی یہ روش اختیار کرے گا تو اس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا کہ زندگی میں ذلیل و خوار کر دیا جائے اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔ یہ اللہ کا ابدی قانون ہے جس میں کسی کے لئے کوئی رو رعایت نہیں ہے۔ ہمارے سامنے یہ سوال آجاتا ہے کہ۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

جو کچھ اوپر بیان ہو چکا اس کی تفسیر علامہ اقبال نے بڑی عمدگی سے کی ہے کہ۔

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

یہ برق کیوں گرتی ہے! اللہ کی اجازت کے بغیر تو نہیں گرتی۔ یہ حالات اس لئے آرہے ہیں کہ وہ مسلمان امت جو زمین پر اللہ کی نمائندگی کے منصب پر فائز تھی اس نے الٹی نمائندگی شروع کر دی ہے' اپنے طرز عمل سے غلط نمائندگی کر رہی ہے لہٰذا باقی کافروں سے بڑھ کر مجرم اور قابل سزا ہے۔ ایسی امت " **بين الخالق و المخلوق** " حجاب بن جاتی ہے۔ اس لئے کہ دنیا تو ان ہی کو دیکھتی ہے اور ان کے حوالے سے ہی دین کو سمجھتی ہے۔ گویا اب یہ امت مخلوق خدا کو دین سے متنفر کرنے کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ **لہٰذا اس امت محمد ﷺ کی پٹائی ایک ملعون و مغضوب قوم کے ہاتھوں ہو گی۔**

یہود کے عزائم کیا ہیں' میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ ہمارے ایک ساتھی جو کہ پی آئی اے میں کام کرتے ہیں' نے ایک چونکا دینے والی بات بتائی۔ پچھلے دنوں وہ اپنی فلائٹ پر بنکاک گئے ہوئے تھے۔ وہاں ٹیلی ویژن پر ایک فلم دکھائی جا رہی تھی۔ فلم کا نام تھا "Stories of the Bible" انہوں نے اس فلم میں بڑے تاریخی شواہد و دلائل اور اعداد و شمار پیش کئے ہیں۔ اس فلم میں وہ اس بات کا پرچار کر رہے ہیں کہ یہود کی سب سے مقدس شے تابوت سکینہ ہے۔ اس " تابوت سکینہ " میں وہ الواح موجود ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو تورات لکھ کر

دی تھی۔ اس کے علاوہ اس میں حضرت موسیٰؑ کا عصاء بھی موجود ہے۔ حضرت طالوت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی کے ذریعے منتخب کیا تھا۔ ان کے لئے ثبوت یہ دیا گیا تھا کہ ان کے دور حکومت میں وہ تابوت سکینہ جو تم سے چھن گیا تھا' واپس مل جائے گا۔ لہٰذا وہ مل گیا تھا۔ بخت نصر نے جب ہیکل سلیمانی کو منہدم کیا تھا اس وقت سے وہ تابوت سکینہ گم ہے۔ اس فلم میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے نیچے ایک "سرنگ" ہے اور اس "سرنگ" کے اندر وہ "تابوت سکینہ" موجود ہے۔ یہودیوں نے اس سرنگ تک پہنچنے کی دو مرتبہ کوشش کی ہے لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔ حالات اب اس طرف بڑی تیزی سے جا رہے ہیں۔ اسرائیلی سپریم کورٹ کا فیصلہ آ چکا ہے کہ یروشلم ہمارا اٹوٹ انگ ہے۔ اب یہ تمام حالات روز روشن کی طرح نمایاں ہو رہے ہیں۔ جو لوگ احادیث سے استغناء برتتے ہیں مجھے ان پر بہت افسوس ہوتا ہے۔ اب حقائق "کفلق الصبح" کی طرح نمایاں ہو چکے ہیں۔ "کفلق الصبح" کے الفاظ حدیث مبارکہ میں آئے ہیں۔ حضور ﷺ پر آغاز وحی رویائے صادقہ سے ہوا۔ آپ جو خواب دیکھتے' چند دنوں بعد یا اگلے ہی دن وہ واقعہ ظہور پذیر ہو جاتا تھا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایسے ہوتا تھا کہ "کفلق الصبح" جیسے صبح نمودار ہوتی ہے۔

یہود کی جو سزا موخر تھی اس کی تنفیذ کا وقت بھی قریب آ چکا ہے۔ میں ان تمام حقائق کو حکمت قرآنی کی بنیاد پر مانتا ہوں۔ احادیث ان کی تائید کرتی نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ عقل و منطق بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے۔ آپ غور کریں کہ یہود کو کون ختم کر سکتا ہے؟ اسرائیل کے پاس کتنے ایٹم بم ہیں؟ مسلمان ممالک میں سے کسی کے پاس ایک بھی نہیں ہے۔ دنیا کو کچھ پاکستان پر شک ہونے لگا ہے اسی لئے اسے "اسلامک بم" سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ امریکی سینیٹرز آئے تھے اور کہہ گئے ہیں کہ ہمیں "اسلامک بم" سے بڑا خوف ہے۔ لہٰذا اسرائیل اور یہود کو تو وہی آخری درجے کے معجزے جو حضرت مسیح کو دیئے گئے تھے ختم کر سکتے ہیں۔ اسی لئے حدیث میں الفاظ آئے ہیں کہ جہاں تک حضرت مسیح کی نگاہ جائے گی' یہودی پگھلتے چلے جائیں گے۔ یہ الفاظ بھی حدیث میں موجود ہیں کہ اگر کوئی یہودی پتھر کے پیچھے بھی چھپے گا تو وہ پتھر بھی پکارے گا کہ اے روح اللہ یہ میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے۔ ایک دفعہ "گریٹر اسرائیل" قائم ہو گا لیکن پھر وہی ان کا "Greater Graveyard" بھی بنے گا۔

یہ بات بھی عقل و منطق کے عین مطابق ہے۔ یہود کا "دور انتشار" ۷۰ء سے شروع ہوا ہے۔ یہود پوری دنیا میں پھیل گئے۔ جہاں جس کے سینگ سمائے چلا گیا۔ مختلف ممالک میں جا کر انہوں نے اپنے اڈے بنائے اور پوری طرح جم گئے۔ اب یہود کو ختم کرنے کے لئے یا تو پوری دنیا پر عذاب آئے یا ان سب کو کہیں سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ ظاہر ہے دو ہی راستے ہو سکتے ہیں۔ اگر کینسر پورے جسم میں پھیل جائے تو آپ کیسے آپریشن کریں گے۔

تن ہمہ داغ داغ شد
پنبہ کجا کجا نہم

اسرائیل کے قیام کے بعد سے انہیں بظاہر فتح ہو رہی ہے۔ ان کے ہاتھوں عرب مسلمان پٹ رہے ہیں۔ لیکن مشیت ایزدی اس تمام کوڑے کرکٹ کو جھاڑ دے کر ایک جگہ جمع کر رہی ہے تاکہ دیا سلائی دکھائی جا سکے۔ یہ بات سورۂ بنی اسرائیل میں موجود ہے۔ پہلے رکوع میں تاریخ بنی اسرائیل کے چار ادوار کا ذکر ہے اور آخری رکوع میں فرمایا "فاذا جاء وعد الاخرۃ جئنا بکم لفیفا" جب وہ آخرت والے وعدے کا وقت آئے گا تو ہم سب کو لپیٹ کر لے آئیں گے۔ پوری دنیا سے یہودی اسرائیل کا رخ کر رہے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اس موجودہ اسرائیل میں تو وہ سب نہیں سما سکتے لہٰذا "گریٹر اسرائیل" وجود میں آئے گا۔

ان تمام حقائق کے متعلق کسی قسم کے شک و شبے کی گنجائش نہیں ہے۔ عہد حاضر میں حدیث نبویہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ استغناء برت رہا ہے۔ یہ دراصل فتنہ انکار سنت اور فتنہ قادیانیت کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسے ہم "اعتزال جدید" کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ روزنامہ "نوائے وقت" میں جب میرے مضامین شائع ہو رہے تھے' ان مضامین کے حوالے سے امریکہ سے ایک لمبا چوڑا خط آیا۔ اس خط میں کہا گیا کہ کیا آپ پیشین گوئیوں کی باتیں کر رہے ہیں؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمام مسلمان ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہیں اور پیشین گوئیوں کے ظہور کا انتظار کریں۔ ان صاحب سے جب بعد میں خط و کتابت ہوئی تو معلوم ہوا کہ قادیانی ہی تھے۔ میں نے انہیں جواباً لکھا کہ پیشین گوئیاں صرف حدیث میں ہی نہیں قرآن میں بھی تو ہیں۔ سورۂ روم کی ابتدائی آیات پیشین گوئی پر مبنی نہیں ہیں؟ اس پیشین گوئی میں کہا گیا کہ اگرچہ اس وقت رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند سالوں کے اندر اندر وہ دوبارہ غالب آ جائیں گے۔ یہ پیشین گوئی ۹ سال بعد پوری ہو گئی۔ ایک طرف ہرقل نے یروشلم دوبارہ فتح کیا اور ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ دوسری طرف بدر میں مسلمانوں کو اللہ نے فتح عظیم اور یوم فرقان عطا فرمایا۔ یہ پیش گوئی نو سال بعد حرف بہ حرف پوری ہو گئی' لیکن کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتے!۔ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ماریں کھائیں' ہجرت کی' اہل و عیال کو بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر مدینہ کا رخ کیا اور پھر تین سو تیرہ جو کہ آپ کی پندرہ سال کی محنت شاقہ کا حاصل تھے' آپ نے میدان میں لا کر ڈال دیئے۔ لہٰذا جو کچھ بھی ہوا محنت سے ہوا۔ اب بھی جو کچھ ہو گا محنت و کوشش سے ہو گا۔ جس طرح قرآن میں پیشین گوئیاں ہیں اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی پیشین گوئیاں فرمائی ہیں لیکن پیشین گوئیوں کا یہ مطلب کبھی نہیں ہو گا کہ ہم ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں!۔

بقیہ اسلامی انقلاب

منکرات دور ہوں گے تو اسلام کا صالح نظام قائم ہو گا لیکن یہ بفحوائے الفاظ قرآنی "طبقا عن طبق" ہو گا۔ اس کے لئے حب عاجلہ کو چھوڑ کر قرآن کی بنیاد پر دین کی دعوت' دعوت کو قبول کرنے والوں کا قرآن کے ذریعہ تزکیہ' اعتصام بحبل اللہ کے نتیجے میں حزب اللہ کا قیام' یہ سب کچھ کرنا پڑے گا۔ اور پھر اس ارشاد ربانی پر عمل کہ "اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔" مختصر یہ کہ قرآن کریم ہی اس سارے عمل کا مرکز و محور ہو گا۔

رہا مروجہ سیاسی عمل تو اس نیم مسلم اور نیم غیر مسلم کے نتیجہ میں تو خواری کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس نیلم پری کو تین طلاق دیئے بغیر اس نظام کا حصول ممکن نہیں جس سے وابستگی کے نتیجہ میں حور و قصور کا وعدہ ربانی ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ لہٰذا اے ایمان والو دوڑو اللہ کی مغفرت کی جانب توبہ کرتے ہوئے جس کے نتیجے میں اس جنت کا حصول ممکن ہو سکے گا جس کی وسعت زمین و آسمان سے بھی زیادہ ہے۔

عالمِ اسلام کو مرغِ دست آموز کیسے بنایا جائے (قسط اول)

SEIZE THE MOMENT

امریکہ کے سابق صدر نکسن کی تجاویز جن پر ہر امریکی حکومت نے عمل کیا

سعودی عرب میں مقیم ہمارے ساتھی فہیم صدیقی نے سابق ریپبلیکن امریکی صدر رچرڈ نکسن کی تازہ تصنیف "سیزدی مومنٹ" سے متعارف کرایا اور اس کے ایک باب The Muslim world یعنی مسلم دنیا کا ترجمہ بھی ارسال کیا ہے۔ ہم پر تو ان کا شکریہ واجب ہے ہی' ہمارے قارئین کے سامنے بھی جوں جوں یہ مسودہ آتا جائے گا' توں توں دلوں سے صدیقی صاحب کے لئے دعائیں نکلیں گی کیونکہ یہاں ہر کسی کی ان حد درجہ اہم لیکن مہنگی کتابوں تک رسائی ہوتی ہی نہیں۔

نکسن نے امت مسلمہ کا جو آئینہ اس تحریر میں ہمارے سامنے رکھا' اس کا ایک ایک لفظ غور سے پڑھے جانے کے لائق ہے۔ اس آئینہ کا مصنف کے اپنے تعصبات کی نمائندگی کرتا ہوا ایک رنگ تو ہے لیکن وہ صاف پہچانا جا سکتا ہے۔ اس آئینے میں نظر آنے والے رنگ کو اتار کر اپنا حلیہ دیکھئے اور داد دیجئے کہ نکسن نے ہماری تصویر کس مہارت اور دیانت کے ساتھ بنائی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ؎

ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے
ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ

سوچئے گا کہ عالم اسلام میں جن لوگوں کے ہاتھوں میں مسلمانوں کی تقدیر ٹھہری ہے' ان میں سے کتنے امت کی حالت کا کبھی بھی اس ژرف نگاہی سے جائزہ لیتے ہوں گے؟ ہمارے ارباب حل و عقد کو آخر کیوں توفیق نہیں ہوتی کہ اپنے علاقائی' گروہی اور جماعتی تعصبات سے بالاتر ہو کر اپنے دین کے مستقبل کی ایسے فکر کریں جیسے نکسن نے مغربی تہذیب و تمدن اور نظام معیشت و سیاست کی حفاظت کے ضمن میں کی ہے۔ نکسن کی یہ تحریر ہم چار اقساط میں مکمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کا جو حصہ زیر نظر شمارے میں آپ پڑھیں گے وہ تو تمہیدی ہے' اگلی اقساط میں آپ دیکھیں گے کہ نیا عالمی استعمار اس دین اسلام سے کتنا خائف ہے جس میں "چرچ" اور "سٹیٹ" کو الگ نہیں رکھا جاتا اور یہ کہ مسلم دنیا کے ایک ایک ملک کو "بنیاد پرستی" کے جرائم سے بچانے کی کیا کیا منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ یاد رہے کہ یہ کتاب خلیج کی جنگ کے نتائج سامنے آ جانے کے بعد لکھی گئی ہے------ادارہ

بہت سے امریکی اس روایتی انداز فکر کے حامل ہیں کہ مسلمان غیر متمدن' غلیظ' وحشی اور نامعقول لوگ ہیں جن میں ہماری دلچسپی صرف اس لئے ہے کہ اس قوم کے چند سربر آوردہ لوگ حسن اتفاق سے دنیا کے دو تہائی تیل کے ذخائر کے مالک ہیں۔ یہ امریکی ان باتوں کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں کہ عرب حکومتوں نے اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کے لئے تین جنگیں لڑیں' جنونی آیت اللہ خمینی نے بہت سے امریکیوں کو یرغمال بنالیا' بلیک ستمبر کے فلسطینی کمانڈوز نے میونخ اولمپکس میں اسرائیلی کھلاڑیوں کو نشانہ بنایا' لبنان میں مسلم جنگجوؤں کا باہم ایک بے مقصد اور لامتناہی خون خرابہ جاری رہا' مسافر ہوائی جہازوں پر شام اور لیبیا کی جانب سے حملے ہوئے اور کویت پر نازی صدام حسین نے قبضہ کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ امریکی ذہن میں مسلم قوم کے خلاف اتنے شدید منفی اثرات جاگزین ہیں جتنے دنیا کی کسی قوم حتی کہ کمیونسٹ چین کے بارے میں بھی نہیں۔

بعض مبصرین خبردار کرتے ہیں کہ اسلام ایک انتہا پسند' جنونی اور متحد سیاسی و جغرافیائی قوت کی حیثیت سے ابھر رہا ہے اور اس کی بڑھتی ہوئی آبادی اور کثیر اقتصادی وسائل دنیا کے لئے ایک چیلنج بن سکتے ہیں۔ انکا یہ بھی خیال ہے کہ مغربی دنیا کو روس کے ساتھ مل کر ایک نیا محاذ بنانا چاہئے تاکہ ایک جارح مسلم دنیا کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ان کی نظر میں اسلام اور مغربی دنیا دو متحارب قوتیں ہیں کیونکہ مسلمان دنیا کو دو کیمپوں میں تقسیم کرتے ہیں' ایک دارالاسلام اور دوسرا دارالحرب جن میں مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ ایک ابھرتی ہوئی بنیاد پرست مسلم دنیا سے خائف ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ایران کی طرح کے علاقائی انقلابات کو روکنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مغربی دنیا اور روس ایک مشترکہ حکمت عملی تیار کریں۔

لیکن بنیاد پرستی کا یہ ڈراؤنا خواب کبھی پورا نہیں ہوگا کیونکہ مسلم دنیا اسقدر وسیع و عریض اور مختلف النوع ہے کہ وہ کبھی ایک مرکز پر جمع ہو سکے گی نہ ہی ایک آواز پر لبیک کہے گی۔ بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ صرف مشرق وسطیٰ ہی مسلم دنیا ہے حالانکہ ۸۵ کروڑ سے زیادہ مسلمان' یعنی دنیائے انسانیت کا چھٹا حصہ ۳۷ مختلف ممالک میں آباد ہیں۔ ان میں تقریباً ۱۹۰ لسانی گروپ ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف زبانیں بولتے ہیں' رسم الخط بھی مختلف ہیں۔ مسلمان قومیں تین بڑے فرقوں سنی' شیعہ اور اہل تصوف میں منقسم ہیں' درجنوں چھوٹے فرقے اور بھی ہیں۔ مسلمان آبادیاں تقریباً دس ہزار میل لمبے فاصلوں یعنی مراکش سے یوگوسلاویہ' ترکی سے پاکستان اور وسطی ایشیا سے انڈونیشیا تک محیط ہیں۔ چین میں بھی مسلمانوں کی تعداد جزیرہ نمائے عرب سے زیادہ ہے۔ صرف انڈونیشیا میں مسلمانوں کی تعداد پورے مشرق وسطیٰ سے زیادہ ہے۔ سابقہ سویت یونین میں ۵ کروڑ مسلمان آباد ہیں جو سوائے ترکی کے مشرق وسطیٰ کے کسی بھی ملک کی آبادی سے زیادہ ہیں اور آئندہ صدی میں سابقہ سویت یونین میں مسلمانوں کی تعداد روسیوں سے بھی بڑھ جائے گی۔

دنیائے اسلام میں درحقیقت صرف دو باتیں مشترک ہیں' ایمان کے عقائد اور سیاسی عدم استحکام۔ ویسے اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک عظیم تہذیب کی بنیاد بھی ہے۔ ہم مسلم دنیا کو اگر ایک مربوط اکائی تصور کرتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ کوئی سیاسی ادارہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے موجود ہے بلکہ اس لئے کہ مسلمان قوموں کے سیاسی اور معاشرتی رجحانات مشترک ہیں جس کے باعث تمام مسلمان قوموں کو ایک ہی تہذیب و تمدن سے منسلک سمجھا جاتا ہے۔ مسلم ممالک کے خواہ آپس میں کتنے ہی اختلافات ہوں' ان کی سیاسی امنگ تقریباً یکساں ہوگی۔ جس طرح مغربی ممالک میں آزاد تجارت' فلاحی مملکت اور سوشلزم کی بات کی جاتی ہے اسی طرح مسلم

ممالک بھی تین بڑے رجحانات موجود ہیں' بنیاد پرستی' جارجیت پسندی اور میانہ روی۔ تاہم ان میں مشترک بات اسلامی نظریہ ہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلم دنیا کے کسی حصہ میں اگر کوئی بڑا واقعہ ہوتا ہے تو پوری اسلامی دنیا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اس وقت مسلم دنیا ایسے اختلافات میں گھری ہوئی ہے جو کسی بھی وقت تصادم کا باعث بن سکتے ہیں جن کی کسی مختصر فہرست میں بھی الجزائر بمقابلہ مراکش' لیبیا بمقابلہ الجزائر' لیبیا بمقابلہ چاڈ' اردن بمقابلہ سعودی عرب' شام بمقابلہ اردن' شام بمقابلہ لبنان' سعودی عرب بمقابلہ یمن اور دیگر خلیجی ریاستیں' عراق بمقابلہ سعودی عرب' کویت ' شام' ایران اور خلیجی ریاستیں' پاکستان بمقابلہ افغانستان و ہندوستان ' انڈیا بمقابلہ پاکستان اور بنگلہ دیش' انڈونیشیا بمقابلہ ملائشیا وینوگنی اور اسرائیل بمقابلہ دنیائے عرب شامل ہیں۔ چونکہ بہت سے ممالک کئی کئی قومی اور لسانی وحدتوں پر مشتمل ہیں لہٰذا داخلی ہیجان کا شکار ہیں اور کسی بھی وقت لبنان کی طرح خانہ جنگی کا شکار ہو سکتے ہیں۔

سیاسی اور معاشی رجحانات ایسے تصادم کو ناگزیر بنا رہے ہیں۔ مسلم دنیا آبادی میں عالمی اضافے کا مرکز ہے لہٰذا جیسے جیسے آبادی بڑھتی جائے گی حالات اور بھی پیچیدہ ہوتے جائیں گے۔ صرف مشرق وسطیٰ کی آبادی ہی ۲۰۱۰ تک تقریباً دوگنی ہو جائے گی جبکہ معاشی ترقی اضافۂ آبادی کے مقابلہ میں ناکافی ہونے کی وجہ سے معیار زندگی کو گرنے سے روک نہ سکے گی اور یوں حکومتوں کے لئے امن اور استحکام کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ بعض علاقوں میں بنیادی وسائل مثلاً پانی کی اتنی کمی ہو جائے گی کہ اس پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے اور جنگ تک بھی نوبت پہنچ جائے گی۔ قومی حد بندیاں جو یورپی استعماریت کے نتیجہ میں وجود میں آئی تھیں' مختلف ممالک کے مابین اور بعض ممالک میں لسانی اقلیتوں کے باعث داخلی طور پر بھی متنازعہ قرار پائیں گی۔ بیشتر مسلم ممالک میں سخت گیر سیاسی حکومتیں زیادہ تر شخصی آمریت یا بادشاہت کی شکل میں قائم ہیں جن کی بقا کا انحصار پولیس اور فوج کی حمایت پر ہے نہ کہ عوامی پذیرائی پر۔ اگر کہیں عوام کو سیاسی آزادی دی بھی گئی تو اس نے جمہوریت کو تقویت پہنچانے کی بجائے ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو آگے بڑھایا ہے۔

بہت سے مسائل اور تصادموں کی زد میں آیا ہوا یہ غیر ترقی یافتہ علاقہ اسلحہ کا ڈھیر بھی ہے۔ ۱۹۹۰ء میں مسلم دنیا کے ممالک نے اپنی قومی پیداوار کا ۸ فیصد فوج پر خرچ کیا جبکہ مغربی دنیا میں یہ خرچ ۵ فیصد سے بھی کم تھا۔ عراق نے کل قومی پیداوار کا آٹھ فیصد' شام نے گیارہ فیصد' سعودی عرب نے ۱۷ فیصد' مصر نے آٹھ فیصد اور پاکستان نے سات فیصد اس مد پر لگایا۔ نتیجہ کے طور پر یہ علاقہ عمومی تباہی کے ہتھیاروں اور دور مار میزائیلوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ علاقے کے بعض جارح ممالک عراق' شام اور لیبیا کیمیاوی ہتھیار بنانے کے قابل ہو چکے ہیں۔ ترقی پذیر دنیا کے جن ۱۵ ممالک کے پاس دور مار میزائل ہیں' ان میں ۹ مسلم ممالک ہیں۔ عراق اور پاکستان نے ایٹمی ہتھیار کی ٹیکنالوجی میں کافی پیش رفت کر لی ہے اور اب الجزائر بھی اس راہ پر گامزن ہے۔ اس وقت دو ایسے مرکز ہیں جہاں بصورت جنگ ایٹمی ہتھیاروں کا دھماکہ ہو سکتا ہے' ایک اسرائیل اور عربوں کے مابین دوسرا پاکستان اور ہندوستان کے مابین اور دونوں میں ہی مسلم دنیا کے ممالک ملوث ہیں۔

میں نے گزشتہ ۳۸ برسوں میں تقریباً ۳۷ مسلم ممالک میں سے ۱۳ ملکوں کا دورہ کیا ہے جن میں انڈونیشیا' ملائشیا' پاکستان' سوڈان' ایران' سعودی عرب' لیبیا' مصر' افغانستان' مراکش' تیونس' اردن اور شام شامل ہیں' میں سابق سویت یونین کی مسلم ریاستوں قزاقستان اور ازبکستان بھی گیا ہوں۔ ان تمام ممالک کے خواص و عوام کو اپنے ماضی اور ورثہ پر فخر ہے' اکثر کمیونزم کے انتہائی مخالف رہے ہیں۔ بقول Whittaker chamber کمیونزم اتنا ہی طاقتور ہوتا ہے' جتنے لوگوں کے عقائد کمزور ہو جائیں اور یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام زیادہ سختی کے ساتھ کمیونزم کے خلاف ڈٹا رہا ہے۔ روسی اثر و رسوخ کسی مسلم ملک میں داخل ہوا بھی ہے تو صرف ہتھیاروں کی فروخت کی حد تک' کسی نظریاتی اپیل کے باعث نہیں۔ عراق' شام' لیبیا" صومالیہ اور ۱۹۷۳ء سے قبل مصر اس کی مثالیں ہیں۔ گویا مسلم ممالک میں اسلامی نظریات کی مضبوطی نے ہی کمیونزم کی یلغار کے سامنے بند باندھا۔

اسلامی دنیا کے قیمتی ورثہ سے بہت کم امریکی واقف ہیں۔ وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں" کی تلواروں کے زور پر اسلام ایشیاء افریقہ حتیٰ کہ یورپ میں بھی داخل ہوا تھا۔ ان کی یادداشت میں صرف یورپ کی وہ جنگیں محفوظ ہیں جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان لڑی گئیں۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اسلام میں دہشت گردی کا کوئی فلسفہ نہیں ہے۔ عیسائی تو خود تین صدیوں قبل تک مذہبی جنگوں میں الجھے رہے اور جس زمانے میں یورپ پستی کا مکین تھا' اسلامی تہذیب کا سنہرا دور اپنے عروج پر تھا مسلم دنیا نے ہی سائنس' طب اور فلسفہ سے دنیا کو روشناس کرایا۔ ول ڈورنٹ اپنی کتاب "The Age of Faith" میں لکھتا ہے کہ تقریباً تمام شعبوں میں بنیادی پیش رفت مسلمانوں نے ہی کی۔ ابن سینا طب کا بہت بڑا عالم ہوا' الرازی طبعیات کا ماہر' البیرونی بہت بڑا جغرافیہ دان' الہیثم بہت بڑا انظہارات کا ماہر (Optician)' الجابر بہت بڑا کیمیا دان' احمد بن رشد بہت بڑا فلسفی تھا اور کتنے ہی مسلمان عالم گزرے ہیں جنہوں نے سائنسی طریقوں کی ترقی و ترویج کے لئے کام کیا۔ ڈورنٹ کہتا ہے کہ جب راجر بیکن نے ان سائنسی طریقوں سے یورپ کو روشناس کرایا' یعنی الجابر کے پانچ سو برس بعد تو اس کا یہ علم ہسپانیہ کا مرہون منت تھا اور اسپین کو علم کی یہ روشنی مسلمانوں سے ملی جب یورپ میں بیداری کی لہر نے علم کی سرحدوں کو چھوا تو انہیں آگے بڑھنے کے لئے مسلم دنیا کے دیو قامت علماء سے ہی استفادہ کرنا پڑا تھا۔

یہ تمام کارنامے اور کامیابیاں مسلم دنیا کے ماضی کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اگر مہلک جنگوں کا سلسلہ ختم ہو جائے اور سیاسی استحکام حاصل ہو تو مستقبل کیا ہوگا۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم ایسی حکمت عملی بنائیں جو مسلم دنیا کے تاریخی ارتقاء کو مثبت اور تعمیری رخ پر ڈال دے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں دو فوری اہم مسائل کی طرف توجہ دینی چاہئے' ایک خلیج فارس کی حفاظت اور دوسرا عرب اسرائیل تنازعہ۔ کیونکہ یہ دونوں مسائل مزید خونریزی کا باعث بن سکتے ہیں۔ جب تک ہم ان تنازعات کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتے اس وقت تک انسانی تہذیب کی بقا خطرے میں پڑی رہے گی۔

مسلم دنیا ایک ایسی تہذیب ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اپنے تاریخی تشخص کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں اس نے غیر ملکی استعمار سے نجات حاصل کی جس کے بعد یہ غیر نظریاتی وابستگیوں کی تاریک راہوں' عرب قوم پرستی اور بنیاد پرستی پر پڑ گئی۔ اب ۱۹۹۰ء کے عشرے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

احسان فراموشی کی شرمناک داستان کا ایک باب

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

خلافتِ عثمانیہ کے انہدام میں کس کا کیا حصہ تھا؟

کاش' اپنوں نے بھی تغافلِ مجرمانہ سے کام نہ لیا ہوتا!

ڈاکٹر سونیل کی کتاب "Minorities and the destruction of Ottoman Empire" جسے ترکی کی ہسٹاریکل سوسائٹی نے شائع کیا ہے' تحقیق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ پروفیسر سونیل کو اسے مکمل کرنے میں دو سال لگے لیکن اس میں جو دستاویزات شامل کی گئی ہیں ان کو جمع کرنے میں کوئی پچیس سال کا عرصہ صرف ہوا۔ کتاب پانچ بڑے حصوں میں تقسیم ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے دور عروج (۱۵۶۶ - ۱۳۸۰) اور اس کے تاریخی پس منظر سے شروع ہوتی ہے اور دور زوال (۱۷۸۹-۱۵۴۴) سے ہوتی ہوئی اس کے خاتمے (۱۹۲۳-۱۹۱۴ء) پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

۱۰۷۱ء میں بازنطینی افواج کو شکست دے کر ترکوں نے جس عظیم خلافت کی بنیاد رکھی' اس کا دائرہ اپنے عروج کے دور میں تین براعظموں ایشیاء' افریقہ اور یورپ پر محیط تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ میل جول کے نتیجے میں بلقان میں بہت سارے لوگوں نے' خاص کر آرتھوڈکس عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اگرچہ نو مسلموں کی بڑی پذیرائی ہوتی مگر انہیں کبھی بھی اس پر مجبور نہ کیا گیا کہ وہ لازماً مسلمان ہو کر رہیں۔ بالادستی تو یقیناً اسلام کی ہوگی لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا جائے۔ کتاب میں برطانوی تاریخ دان پروفیسر ڈگمس ڈکن کا حوالہ دیا گیا ہے جس کے مطابق خلافت کے اندر عیسائی' یہودی اور دوسری کئی قومیں آباد تھیں۔ ڈاکٹر سونیل نے اپنی کتاب میں تین قوموں یعنی یونانی' آرمینیائی اور یہودیوں کو خصوصی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ انہیں درحقیقت اقلیت شمار نہیں کیا جاتا تھا۔

خلافت عثمانیہ کا دستوری اور قانونی ڈھانچہ زیادہ تر اسلامی قوانین پر مبنی تھا جس کی رو سے سلطان کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نائب کی تھی نہ کہ حاکم مطلق کی۔ اسے جو بھی اختیارات حاصل تھے وہ قرآن و سنت کے اندر اندر تھے۔ خلافت کے اندر جو بھی اقوام موجود تھیں ان میں سے ہر ایک 'ملت' شمار ہوتی تھی اور انہیں اندرونی طور پر وسیع اختیارات سے نوازا گیا تھا۔ اسلامی ریاست میں آپ کو معلوم ہے غیر مسلموں کو "اقلیت" نہیں "اہل ذمہ" قرار دیا گیا ہے یعنی ریاست ان کی جان' مال اور عزت و آبرو کا ذمہ لیتی ہے۔ ہر صاحب نصاب مسلمان سے حکومت اڑھائی فیصد زکوۃ وصول کرتی ہے اور ان کے لئے فوج کی ملازمت لازمی ہوتی ہے لیکن اہل ذمہ جنہیں مخفف کے طور پر ذمی کہا جاتا ہے' خلافت کے لئے لڑی جانے والی کسی جنگ میں شمولیت کے پابند نہیں۔ انہیں صرف جزیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ بھی صرف ان لوگوں سے لیا جاتا تھا جو کام کاج کے قابل ہوتے تھے۔ کمزور یا ضعیف افراد' عورتیں' بچے' راہب اور پادری وغیرہ جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے۔ اسلامی قانون کے ماہرین جزیہ کی مقدار کے بارے میں مختلف آراء پیش کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک امیر شخص سے اڑتالیس درہم اوسط آمدنی والے شخص سے چوبیس اور کم آمدنی والے سے بارہ درہم وصول کئے جائیں گے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کم سے کم ایک دینار (سو درہم) لیا جائے گا جبکہ زیادہ سے زیادہ کا فیصلہ سلطان کرے گا۔ امام مالکؒ کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ دونوں کا فیصلہ سلطان کی مرضی پر چھوڑتے ہیں۔ بہرحال اس کی مقدار زکوۃ کے مقابلے میں کہیں کم ہوتی ہے۔

غیر مسلموں کو اسلامی شریعت کی رو سے جو حقوق دیئے گئے ہیں' سلطان اپنا یہ دینی فریضہ سمجھتا تھا کہ وہ پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ ادا کئے جائیں۔ خلافت عثمانیہ میں ہر "ملت" اپنے اپنے دائرہ کے اندر خود مختار تھی۔ وہ اپنے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کا انتخاب کرتی' جو ملت کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرتا اور حکومت کے سامنے اس کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیتا۔ مذہبی امور کے علاوہ ان کے لئے قائم کردہ سکولوں کا انتظام انہیں کے پاس تھا۔ یہاں تک کہ بعض دیوانی مقدمات کے فیصلے ان کے اپنے ہاں ہوتے جس کے لئے انہیں حکومت کی طرف سے ہر قسم کی مدد فراہم کی جاتی۔

ولیم ملر ترکوں کا دوست شمار نہیں ہوتا وہ اپنی کتاب "Ottoman Empire and its successers" (شائع شدہ لندن ۱۹۲۶ء) میں تسلیم کرتا ہے کہ "یہ کہنا بے جا نہیں کہ ترکوں کی حکومت میں جتنی مذہبی رواداری موجود تھی اس کا عشر عشیر بھی عیسائیت کے علمبردار اپنے ہاں پیش نہیں کرتے"۔ ایڈگر گردان ویل "The Conspiracies of Tsarist Russia" میں یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ غیر مسلموں کو جو تحفظ اور استحکام حاصل ہوا ہے اس کے لئے انہیں ترکوں کا احسان مند ہونا چاہئے۔ عثمانیوں کی منصف مزاجی اور راست بازی پر کسی کو انگلی اٹھانے کی جرات نہیں ہوئی۔ ان کا اگر کوئی "جرم" تھا تو صرف یہ کہ انہوں نے نہایت اعلیٰ پیمانے پر تمام تر کوششوں کے باوجود' جن میں پوپ پائس دوم کی طرف سے فاتح سلطان محمد دوم کو دی گئی ذاتی دعوت خاص طور پر قابل ذکر ہے' عیسائی مذہب قبول نہیں کیا۔ چنانچہ ادھر سے مایوس ہو کر صلیبیوں نے اپنی اس مہم کا آغاز کیا جس کا مقصد اسلامی رشتوں کو کمزور بنا کر ترکوں کی طاقت کو پارہ پارہ کرنا اور انہیں بلقان' اناطولیہ اور اگر ممکن ہو تو مشرق وسطی سے بے دخل کرنا تھا۔ اپریل ۱۹۱۵ء میں ایف۔ اے۔ ایلو نامی شخص نے جو ارمیا کے روسی کونسل خانہ میں بطور مترجم تعینات تھا' برطانوی دفتر خارجہ کو یاد دہانی کے طور پر تحریر کیا تھا کہ اسلام کی سربراہی ترکی کو حاصل ہے۔ اگر ترکی صحیح و سالم رہا تو دنیا سے اسلام کا خطرہ کبھی دور نہیں ہوگا اور اگر ترکی کا خاتمہ ہونے لگا تو مسلمان کوئی حرکت نہیں کریں گے' اور آئندہ ہمیشہ کے لئے دب کر رہنے پر مجبور ہوں گے۔

سلطان سلیمان' جنہیں سلیمان اعظم کہا جاتا ہے' کے دور میں ایک طرف خلافت اپنی عظمت اور سطوت کی ثریا کو چھو رہی تھی تو دوسری طرف اس کے زوال کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ سلطان سلیم دوم کی تخت نشینی (۷۴-۱۵۶۶ء) کے ساتھ ہی عیسائیوں کو اسلام کے خلاف اپنی روایتی چالاکی اور مکاری کے استعمال کا موقعہ ہاتھ آگیا۔ بہت سی غیر مسلم خواتین حرم کی زینت بن گئیں۔ حکومتی اختیارات کا خاصا بڑا حصہ سلطان کی ان غیر مسلم سوتیلی ماؤں اور ان کے رشتے سے چچا زاد اور خالہ زاد بھائیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ محلاتی سازشوں کے ذریعے ایسے لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے جو صرف نام کے مسلمان یا پھر غیر مسلم ہی تھے۔ نہ صرف یہ کہ ان کی وفاداریاں منقسم تھیں بلکہ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ سلطان کے اختیارات رفتہ رفتہ کم ہوتے گئے جبکہ وزیر اعظم اور اس کے وزراء کے زیادہ' حالانکہ خلافت میں اصل مقام و مرتبہ صرف سلطان کو حاصل ہوتا ہے۔ گویا سیاسی مرکز تو ایک ہی یعنی سلطان کی ذات رہی لیکن اختیارات کے مراکز کئی ہو گئے۔ اس سے حالات پر حکومت کی گرفت کمزور پڑنے لگی تو اسے فکر لاحق ہوئی۔ پھر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جس جگہ خرابی واقع ہوئی ہے اس کی نشاندہی کر کے ازالہ کیا جاتا تاکہ گاڑی واپس پٹڑی پر آجاتی مگر یورپ کی "روشن خیالی" کی پیروی میں "اصلاحات" کی راہ اختیار کر لی گئی۔ اس بہانے یہودی عیسائی اور آرمینیائی آکر کلیدی عہدوں پر براجمان ہو گئے جو مغربی تصورات کو پھیلانے کا بہت موثر ذریعہ ثابت ہوئے۔

خلافت میں کئی رنگوں' نسلوں' زبانوں' ثقافتوں' مذہبوں اور قومیتوں کے لوگ آباد تھے جو کئی بر اعظموں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں عرب' ایرانی' ترک' سلاوی' افریقی' سبھی شامل تھے جو سب اپنے اپنے ممالک میں الگ الگ قومیں شمار ہوتے تھے۔ جب جونہی حالات بگڑنے لگے تو ہر قوم دوسری قوم کو اس کا مورد الزام ٹھہرانے لگی۔ خاص طور پر ترکوں نے عربوں کو اور عربوں نے ترکوں کو اس کا ذمہ دار قرار دینا شروع کر دیا لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ الزام تراشی کی اس مہم میں دونوں طرف پیش پیش غیر مسلم باشندے تھے۔

"ترکوں سے گلو خلاصی" کا یہ عمل دراصل ۱۶۸۳ء میں شروع ہو گیا تھا جب ترک ویانا فتح کرنے میں ناکام رہے تھے۔ چنانچہ ولیم ملر اسے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کی جانب پہلا قدم قرار دیتا ہے۔ یورپی استعمار نے اسی روز سے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ ترک نیشنلزم اور عرب نیشنلزم کے حوالے سے جو زہر اس وقت پھیلایا گیا تھا اکثر دانشور اسے آج بھی اتنا ہی موثر اور جاری و ساری خیال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا یہ عمل ہنوز جاری ہے۔ بہرحال اپنوں کی نادانی اور غیروں کی چالاکی کا یہ شاخسانہ تھا کہ بلقان اور اناطولیہ کے بعد خلافت عثمانیہ کا بھی بالآخر خاتمہ ہو گیا۔

۱۶۸۳ء میں ویانا اور ۱۹۲۳ء میں لاسین (Lausanne) میں جو ہوا سو ہوا' خلافت کے خلاف سازشوں' تخریب کاریوں اور جارحیت کی ایک لمبی داستان ہے جو ڈاکٹر سلاحی۔ آر سونیل بیان کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ کس طرح خلافت کے اندر آرام و چین سے زندگی گزارنے والے غیر مسلموں نے یورپی طاقتوں کا ساتھ دے کر ان کا کام آسان بنایا حالانکہ انہیں یورپ کی نسبت یہاں زیادہ تحفظ حاصل تھا۔ خلافت عثمانیہ اپنی اندرونی کمزوریوں کے سبب یورپ سے قرضے لینے پر مجبور ہوئی تو رہی سہی عزت نفس بھی جاتی رہی۔ اب یورپ والوں کی ہر بات ماننا پڑتی اور ان کی تجویز کردہ اصلاحات پر عمل کرنا پڑ رہا تھا۔ ادھر حدود خلافت میں مقیم یہودی الگ اپنے صیہونی عزائم کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے۔ وہ "پیار ہی پیار" میں چاہتے تھے کہ یروشلم اور فلسطین انہیں حاصل ہو جائے۔

۱۸۵۶ء میں پیرس میں یہ معاہدہ طے پایا کہ اب سے سلطان کی عیسائی رعایا کی حفاظت یورپ کے ممالک کریں گے یعنی کیتھولک فرقہ فرانس' اٹلی اور اسٹریا کے زیر سایہ ہو گا۔ برطانیہ' جرمنی اور امریکہ پروٹسٹنٹ مذہب کے نگہبان اور روس آرتھوڈکس کا سرپرست اعلیٰ قرار پائے۔ اس طرح خلافت کے اندر موجود عیسائیوں کی باگ ڈور مکمل طور پر غیر ملکیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ مغربی استعمار نے اپنے ناپاک سامراجی عزائم کی تکمیل کے لئے ان عیسائیوں کے مسائل نہ صرف بڑھا چڑھا کر پیش کئے بلکہ ان میں مصنوعی طور پر اضافہ کیا گیا تاکہ انہیں مداخلت کا بہانہ ملتا رہے جیسا کہ برطانوی کونسلر' پلگریو نے ۱۸۶۶ء میں اپنی رپورٹ میں لکھا ہے۔ یورپی طاقتوں نے ہر ممکن طریقے سے مقامی عیسائیوں کے ذریعے بے چینی اور بد امنی کو ہوا دے کر خلافت کے اندر نقب لگانے کی کوششیں کیں۔ عیسائیوں کے مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے مشنری اداروں نے بڑی تعداد میں آکر تبلیغ کے بہانے یہاں اپنے پیر جمالئے اور خلافت کے اندر رہنے والے عیسائیوں پر اپنا قبضہ جما کر انہیں اپنی سرپرست یورپی طاقتوں کے زیر اثر لاکھڑا کیا۔

یورپ والے ایک طرف عثمانیوں کو یہ ترغیب دلاتے رہے کہ تمہارا تعلق وسط ایشیا سے نہیں یورپ سے ہے' دوسری طرف جنوبی اور وسطی یورپ سے عثمانیوں کا صفایا کرنے میں مصروف رہے۔ اور ایک ایک کر کے تھریس (threce) بوسنیا ہرزیگوینا اور بلغاریہ کو خلافت عثمانیہ سے کاٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ عثمانی عمائدین سلطنت اگرچہ عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں سے سخت نالاں تھے اور بعض اوقات انہیں تادیبی کارروائی بھی کرنا پڑتی مگر بحیثیت مجموعی حکومت نے غیر مسلموں سے متعلق اسلامی اصولوں پر مبنی اپنی عدل و انصاف' نرمی اور رواداری کی پالیسی ہاتھ سے نہ جانے دی تاہم خلافت کو جو زوال آچکا تھا اس کے سبب اندرونی خلفشار اور بیرونی حملوں کا بیک وقت مقابلہ کرنا ممکن نہ رہا اور بالآخر ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم میں شرکت نے خلافت کا رہا سہا بھرم بھی ختم کر دیا۔ یہ پوری تاریخ لالچ کی کارفرمائی اور سازشوں کے تانے بانے سے بھری پڑی ہے۔ لالچ اور حرص نے عثمانیوں کو ناکارہ بنا دیا اور عیسائی سازشوں نے ان کی ناکامی پر مہر ثبت کر دی۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ میں نمایاں کردار اگرچہ اس کی عیسائی آبادی کا نظر آتا ہے مگر اسے موقع تو خود عثمانیوں نے فراہم کیا لیکن بہرحال یہ بات خوش آئند ہے کہ مسلم دنیا میں اپنے ماضی میں جھانکنے کا خیال تو پیدا ہوا ہے۔ OO

ڈاکٹر اسرار احمد
صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے ■ اعلیٰ دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ
رسول کامل
یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور
فرائض دینی اور اسوۂ رسول
سورۃ الاحزاب کے رکوع ۲ و ۳ کی روشنی میں

اسلامی انقلاب کے منہج کے ادراک کے باوجود انحراف کیوں!

انقلابی عمل وقت طلب ہی نہیں' صبر طلب بھی ہے۔

میم سین

خدا خیر کرے کہ ہمارے علماء دین اور مفتیان شرع متین بھی جمہوریت کی نیلم پری پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔ یقین نہ آئے تو وہ خبر ملاحظہ فرمالیجئے جو پاکستان کے کثیر الاشاعت اخبار میں شائع ہوا ہے۔ یہ بیان کی صورت میں ہے جو مفتی نعیم نے جاری کیا ہے جو سنی مجلس عمل کے رہنما ہیں۔ "انہوں نے کہا کہ موجود حالات کی روشنی میں دینی سیاسی جماعتیں اپنے مستقبل کو حال سے بہتر بنانے کی منصوبہ بندی کریں۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ موجودہ نظام غیر اسلامی ہے تاہم نظام کی تبدیلی کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ طاقت کے بل پر موجودہ نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے اور دوسرا یہ کہ رائے عامہ کو ساتھ ملا کر اس کے ذریعہ نظام کی تبدیلی کے عمل کو آگے بڑھایا جائے۔ ہماری دعا اور دلی خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کی دینی قوتوں کو ایسی طاقت فراہم کرے۔ لیکن موجودہ حالات میں ایسی طاقت دینی قوتوں کے پاس موجود ہے اور نہ مستقبل قریب میں فراہم ہونے کے امکانات ہیں۔ اس لئے متبادل طریقہ مروجہ سیاسی عمل رہ جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے خیال میں دینی سیاسی جماعتوں کی ناکامی کی ایک وجہ یہ ہے کہ نفاذ اسلام کے لئے ان کا ہوم ورک نہیں ہے۔ ان کے بیشتر کارکنوں بلکہ رہنماؤں کو بھی اسلام کے فکری اور عملی تقاضوں کا ادراک نہیں ہے۔ مزید یہ کہ مذہبی جماعتوں نے ابھی تک آپس میں بیٹھنے اور دینی حلقوں کے باہمی اتحاد کی ضرورت اور افادیت کو محسوس نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ دینی سیاسی جماعتوں کی قومی سیاست میں ناکامی کی ایک وجہ ان کا فرقہ وارانہ تشخص اور ترجیحات بھی ہیں۔ ملک کی کوئی دینی سیاسی جماعت ایسی نہیں جو صرف ایک ہی مذہبی مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتی ہو۔ جماعت اسلامی نے اس دائرہ سے نکل کر ہمہ گیر ہونے کا تصور دیا لیکن طریق کار ایسا اختیار کیا کہ عملاً ملک میں پہلے موجود مذہبی مکاتب فکر میں ایک نئے نیم مکتب فکر کا عنوان بن گئی۔ انہوں نے اپیل کی کہ دینی سیاسی جماعتوں کے قائدین انفرادی اور باہمی طور پر مل بیٹھ کر ان اسباب و عوامل کا جائزہ لیں اور منفی عوامل سے گلو خلاصی کے لئے ٹھوس حکمت عملی اختیار کریں۔"

عجلت پسندی انسان کی سرشت میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے۔ مفتی صاحب کے اس بیان کی پشت پر کہ دینی قوتوں کو ایسی طاقت فراہم نہیں کہ اس کے بل پر موجودہ نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑا جائے عجلت پسندی ہی کار فرما ہے لہٰذا انہیں مروجہ سیاسی عمل ہی میں آسودگی نظر آتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ نبی کریم ﷺ کے منہج پر غور فرماتے تو شاید مروجہ سیاسی عمل کی جانب نہ دیکھتے۔ لیکن چونکہ اس انقلابی منہج پر عمل وقت طلب بھی ہے اور اس کے لئے صبر و تحمل کی بھی ضرورت ہے لہٰذا راہ فرار مروجہ سیاسی عمل ہی میں رہ جاتا ہے۔ حالانکہ وہ خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں ملک کی کوئی دینی سیاسی جماعت ایسی نہیں جو صرف ایک ہی مکتب فکر کی نمائندگی نہ کرتی ہو اور یہ سیاسی دینی جماعتیں فرقہ وارانہ تشخص بھی رکھتی ہیں۔ اب آپ غور فرمائیں کہ وطن عزیز میں مذہبی سیاسی جماعتیں فرقوں کی بنیاد پر قائم ہیں۔ ہر فرقہ کے لوگ اپنی ہی جماعت کو ووٹ ڈالتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کے حق میں ووٹ مختلف مذہبی سیاسی جماعتوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف سیاسی جماعتوں کی قیادت جاگیردار اور وڈیرے کر رہے ہیں۔ ملک کے عوام کی اکثریت تو اسلام پسند نہیں بلکہ سیکولر ذہنیت رکھنے والی ہے لہٰذا اکثریت کا ووٹ ان سیاسی جماعتوں کو چلا جاتا ہے۔ وطن عزیز کے قیام سے اب تک مذہبی سیاسی جماعتوں میں سے کسی نے حکومت بنانے کی پوزیشن بھی حاصل نہیں کی چہ جائیکہ اسے دستور سازی کے لئے ارکان اسمبلی کی مطلوبہ تعداد حاصل ہو لہٰذا نظام جوں کا توں موجود ہے۔ اسی صورتحال نے مفتی صاحب کو مجبور کیا ہے کہ وہ دینی جماعتوں کو مل بیٹھ کر ناکامی کے اسباب و عوامل کا جائزہ لینے کی دعوت فکر دیں۔ مفتی صاحب نے اپنے بیان میں خود ہی ان عوامل کی نشان دہی کر دی ہے یعنی ـــ سیاسی جماعتوں کے بیشتر کارکنوں بلکہ رہنماؤں کو اسلام کے فکری اور عملی تقاضوں کا ادراک حاصل نہ ہونا' ان کا فرقہ وارانہ تشخص اور ترجیحات۔ اصل میں انہی عوامل سے گلو خلاصی کے لئے ٹھوس حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ پہلی بات تو کارکنوں اور رہنماؤں میں اس خیال کا راسخ ہونا ضروری ہے کہ اسلام محض عبادات' عقائد اور رسومات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل نظام زندگی ہے اور ہر نظام زندگی کی طرح اس کے بھی اپنے سیاسی' معاشی اور معاشرتی گوشے ہیں جن کے عملی نفاذ کے بغیر اسلام کا یہ نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شعوری ایمان کو ترقی دی جائے جس کے لئے قرآن کریم سے رجوع ناگزیر ہے۔ قرآن کریم سے وابستگی جتنی گہری ہوگی اتنی ہی ایمان میں پختگی پیدا ہو گی۔ تعلق مع اللہ کے لئے عبادات میں شغف پیدا ہو گا۔ اور تعلق مع اللہ ہی سے اللہ کے بندوں کے ساتھ تعلق جڑے گا۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے حقوق کا پاس ہو گا بلکہ ایثار کا جذبہ بھی پیدا ہو گا جس کے بغیر ایک اسلامی معاشرے کا تصور ہی ممکن نہیں۔

آج انسانوں کے درمیان جو فساد موجود ہے وہ اس لئے ہے کہ معاشرتی سطح پر اونچ نیچ ہے' معاشی ناہمواری ہے اور سیاسی استحصال ہے۔ لوگوں میں چونکہ اس خیال کو عام کر دیا گیا ہے کہ مذہب لوگوں کا انفرادی معاملہ ہے اور معاشرت' معیشت اور سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں لہٰذا کوئی ان مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ معاشرت کے لئے ماڈل مغربی تہذیب ہے تو معیشت کے لئے سوشلزم کا نعرہ ہے اور سیاست تو جمہوریت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

قرآن کریم سے گہری وابستگی ہمارے فرقہ واری تشخص کو دور کرے گا۔ اور ہماری ترجیحات کے بدلنے کا ذریعہ بھی بنے گا۔ مکتبہ فکر کی ترویج بھی ہوگی تو قرآن کریم ہی کی روشنی میں ہوگی۔ اس سے ایک ایسی حزب اللہ وجود میں آئے گی جو منکرات سے ٹکر لینے کے لئے بیتاب ہو۔ پھر قوت کا استعمال بھی ہو گا اور حق کا کوڑا بھی باطل کے سر پر اس طرح پڑے گا کہ اس کا بھیجا پاش پاش ہو جائے گا۔ معاشرے سے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

بقیہ: پریس ریلیز

کسی کا وزن رکھتی ہے جس کی تجدید علامہ اقبال نے کی اور وسیع نشرواشاعت میں مولانا مودودی جیسے مصنفوں نے حصہ لیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم ایٹمی دانت بھی رکھتے ہیں جو چاہے دودھ کے دانت ہوں لیکن موجود ضرور ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ مشرق بعید کے ممالک میں سے چین لوہے کا وہ چنا ہے جسے امریکہ اب تک چبا نہیں سکا۔ پھر شمالی کوریا کی طرف سے بھی نیو ورلڈ آرڈر کو کھٹکا ہے اور جاپان بھی اگرچہ عسکری قوت نہیں تاہم امریکی معیشت کے لئے مستقل خطرہ ہے۔ بھارت امریکہ کے قریب جا رہا تھا لیکن کشمیر پر اس کی نظریں بھانپ کر اس نے اپنی حکمت عملی یکسر بدل ڈالی ہے۔ چین سے بھارت نے اپنے تعلقات اس حد تک سنوار لئے ہیں کہ وہ ہم سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ چین جس کی دوستی پر ہمیں فخر اور اعتماد تھا اب کشمیر کے معاملے میں غیر جانبداری برتنے پر آگیا ہے۔ اس پس منظر میں ہمسایہ برادر ملک ایران کی طرف سے جو تجویز آئی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ یہ خیال تو بہت اچھا ہے کہ ہم ایک نئے بلاک کا حصہ بن کر نئے عالمی استعمار کا مقابلہ کریں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس کی قیمت ہمیں کیا دینی ہوگی۔ اس کی قیمت کشمیر سے تقریباً دست برداری اور اس مسئلہ پر باہمی گفت و شنید سے بھی پہلے بھارت کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانا ہوگا۔ ہندو ذہنیت سے مصالحت کی کڑوی گولی نگلنا اور نفرت و انتقام کے ان جذبات کو سرد کرنا کیسے ممکن ہوگا جن کی بھٹی نصف صدی سے دہک رہی ہے اور بالخصوص ان حالات میں کہ ہم بالغ نظر اور حقیقی قومی قیادت سے بھی محروم ہیں جو ڈیگال کی طرح اپنی قوم سے حقائق تسلیم کرانے کی اہل ہو۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہماری قیادت تو اپنے سیاسی افلاس کے باعث لوگوں کو اپنے پیچھے چلانے کی بجائے خود قوم کے پیچھے چلنے پر مجبور ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم امریکی عالمی استعمار کے مکمل آلہ کار بن جائیں۔ اس صورت میں ہمیں ہتھیار اور امداد بھی مل جائے گی اور ممکن ہے کہ ہمارے ایٹمی پروگرام کی طرف سے بھی ایک بار پھر آنکھیں بند کرلی جائیں جیسے پہلے روس کو نیچا دکھانے کے لئے بند کرلی گئی تھیں لیکن کشمیر اس شکل میں بھی ہمیں نہیں مل سکے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ میں دونوں میں سے کسی بھی متبادل کی وکالت نہیں کرتا لیکن اس امر کی شدید ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ قوم کو درپیش اس نازک ترین مرحلے پر ہم سیاسی اور گروہی تعصبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے باہم گفتگو اور بحث و مکالمے کا آغاز کریں کیونکہ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور بعد میں ہاتھ ملنے سے تو ظاہر ہے کہ ہمارا بھلا نہیں ہوگا۔

اپنی گفتگو مکمل کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ان دو راستوں کے علاوہ ایک راستہ اور ہے جس کی طرف ہمیں کلام الٰہی سے راہنمائی ملتی ہے۔ یہ ہدایت ربانی یوں ہے کہ اے ایمان والو' یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' یہ ایک دوسرے کے دوست اور پشت پناہ ہیں۔ جو تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہی کے ساتھ ہوگا۔ تم دیکھو گے کہ وہ مسلمان جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے وہ انہی کے اندر گھس رہے ہیں' کہتے ہیں کہ ہمیں اندیشہ ہے کوئی مصیبت آنے والی ہے جس سے کوئی بچائے گا تو ہمارے یہی دوست۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس ہدایت ربانی میں ہمارے لئے جو سبق ہے وہ اپنی جگہ لیکن واقعہ یہ ہے کہ موجودہ عرب حکمرانوں پر تو یہ صد فیصد صادق آتی ہے۔ یہود و نصاریٰ نزول قرآن کے زمانے میں دوست نہ بھی رہے ہوں تو آج ان کا گٹھ جوڑ بہرحال سامنے کی بات ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اس موقعہ پر جب ہمارے دوست ہمیں چھوڑ گئے ہیں' خدا اور خودی کی بیک وقت بازیافت کا ایک سنہری موقعہ ہمیں میسر آیا ہے جس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔----OO

بقیہ: SEIZE THE MOMENT

میں اور اس کے بعد یہ دنیا میں اپنا مقام حاصل کرنے کے لئے دوبارہ سرگرداں ہوگی اور امریکہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسی موثر حکمت عملی اختیار کرے جو اس ارتقاء کو مثبت سمت میں موڑ دے۔

ایسی کسی حکمت عملی کی تخلیق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تمام مسلم ممالک کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کا رجحان ہے۔ دراصل بہت سے امریکی جو مٹھی بھر جنونی بنیاد پرستوں کی مغربی دنیا کے خلاف آئے دن کی نعرہ بازیوں سے بیزار ہو گئے ہیں' تمام مسلم قوموں کو اپنا حریف اور مدمقابل سمجھنے لگتے ہیں۔ جبکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ محض ایک مشترک عقیدہ ان کو سیاسی طور پر یکجا کئے ہوئے ہے ورنہ یہ کوئی ایک مربوط بلاک نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ کسی بھی مسلم ملک کی پالیسوں کا اسلام سے بہت کم تعلق ہے' وہ تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کس حد تک ان کی مخصوص قومی اور علاقائی تہذیب اور روایات کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ البتہ بعض اوقات ان میں سیاسی یکجہتی پیدا ہو جاتی ہے' مثلاً جب روس نے افغانستان پر قبضہ کیا تو تمام مسلم ممالک کے روس سے تعلقات سرد پڑ گئے اور سعودی عرب نے تو سرد مہری کی انتہا کر دی۔ اسی طرح مسلم ممالک جب یہ دیکھتے ہیں کہ امریکہ اسرائیل کو اربوں ڈالر کی امداد دے رہا ہے لیکن اسے مجبور نہیں کرتا کہ وہ فلسطین کے مسئلہ کو حل کرے تو امریکہ کے لئے سب کے جذبات کم و بیش یکساں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے ساتھ مسلم ممالک کے تعلقات میں گرمجوشی نہیں پائی جاتی۔ بہرحال مشترکہ اسلامی عقیدہ کے باعث ان میں ایسے واقعات پر ہم آہنگی تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن سیاسی طور پر یہ ایک مربوط بلاک نہیں بن سکتے۔

اسلام کوئی مستحکم اور مربوط سیاسی نظام نہیں رکھتا۔ اور اسلام ہی کیا' ہر بڑے مذہب کے ماننے والے اپنے سیاسی عزائم اور رجحانات کو تقویت دینے کے لئے اس کی مختلف تشریحات کر ہی لیتے ہیں۔ مغرب میں عیسائیت نے ہی بادشاہت کو خدائی اختیارات دے کر تقدس کی خلعت پہنائی تھی جو بعد میں شرف انسانی کی بنیاد پر جمہوریت کی سب سے بڑی علمبردار بن کر سامنے آئی ہے۔ پھر جیسے چرچ نے سیاسی روایات کی نئی تشریح سے مغربی انداز حکومت کے نئے ڈھانچے کو سہارا دیا ویسے ہی اسلام کے سیاسی نظام کی بھی ارتقائی یا مخصوص مفادات کا ساتھ دینے والی تشریحات کی جا رہی ہیں۔ آخر خمینی' صدام حسین' انور السادات اور ضیاء الحق جیسے غاصب حکمران بھی اپنے اختیارات کا سرچشمہ اسلام ہی کو تو قرار دیتے رہے ہیں۔OO

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے!
وہ دل' وہ آرزو باقی نہیں ہے!
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے!
(اقبال)

جمہوریت بھی اس سے بری ہے۔

یہ دونوں طریقہ علاج یعنی مارشل لاء اور مغربی جمہوریت' اس "مریض" کو راس نہیں آتے۔ ہمیں علاج بدلنے کی طرف سوچنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ "مریض" ان دونوں کی کھینچا تانی میں راہی ملک عدم ہو جائے۔ ہماری کتنی بڑی بد نصیبی ہے کہ بقول میر۔

میر کہاں سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہماری بیماری کا سبب بھی یہی دونوں مغربی طریقہ علاج ہیں جبکہ ہمارے پاس شفا کا نسخہ کاملہ موجود ہے۔ ماضی میں امت مسلمہ کا عروج اسی سے ہوا تھا اور جب ہم نے اسے چھوڑ دیا تو ذلت و رسوائی ہمارا مقدر بن گئی۔ اب تو ہماری آنکھیں کھل جانی چاہیں اور ہر طرف سے منہ موڑ کر اور یکسو ہو کر اس نسخہ شفا کی طرف لپکنا چاہئے جس سے ہماری صحت' عزت و آبرو اور تمکن وابستہ ہے۔

اس کے لئے طریقہ کار وہی اختیار کرنا ہو گا جو پہلے اختیار کیا گیا تھا یعنی دعوت ایمان بذریعہ قرآن اور جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں وہ توبہ اور تجدید عہد کریں۔ ان کی اپنی زندگیاں بدلیں' ان کی سوچ کا رخ بدلے ان کے اھداف بدلیں۔ وہ معاشرے میں دعوت قرآنی کا ایک نمونہ بن جائیں۔ ان کے اردگرد لوگ جمع ہونا شروع ہوں۔ چراغ سے چراغ جلے اور ایک ایسی ٹھوس' مضبوط اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار جیسی جماعت ابھرے جو تمام رکاوٹوں کو عبور کرتی ہوئی خلافت علی منہاج نبوۃ تک پہنچ جائے۔ یہ ان ہونی بات نہیں ہے۔ ایسا ماضی میں ہو چکا ہے اور جب بھی یہ طریقہ کار اختیار کیا جائے گا وہ صالح انقلاب برپا ہو جائے گا۔ ہم میں سے ہر فرد کو سوچنا چاہئے اور بغیر کوئی وقت ضائع کئے اس راہ کو اختیار کرنا چاہئے۔ سیاسی "ڈھول ڈھپے" ہوتے رہیں گے نہ انہوں نے پہلے کوئی تعمیر کی ہے نہ آئندہ ہی کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ تو اسمبلیوں میں پہنچنے کے بعد اپنی "بقا اور مفادات" کی جنگ میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ پاکستان کے باسیوں کو چاہئے کہ وہ اپنی موجودہ اور آئندہ نسلوں کو فساد سے بچانے کے لئے انہیں خطوط پر اٹھ کھڑے ہوں۔ فساد جس تیزی سے پھیل رہا ہے ہمیں بھی اسی سرعت سے اس دعوت کو آگے بڑھانا چاہئے۔ خلافت علیٰ منہاج نبوت ایک ایسا ھدف ہے جس پر ہر قدم کامیابی کی طرف جاتا ہے۔ ۔

میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

آپ کو خوب معلوم ہے کہ میں نظری و فکری اعتبار سے آپ سے کچھ بہت زیادہ دور نہیں ہوں۔ آپ نے خود میرے کئی اداریوں کی تحسین کی ہے۔ عملی اعتبار سے بھی میں سمجھتا ہوں کہ جس راستے پر آپ چل رہے ہیں اس کے لئے بہت سے دلائل آپ کے پاس ہوں گے' لیکن میں صرف یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم نے ایک اسلامی تحریک کی گود میں شعور کی آنکھ کھولی تھی' تو کیا اس تحریک کے قائد کی غلطیاں اور اس کے مٹھی بھر تنخواہ دار ملازموں کی غلط کاریاں اس کے لئے کافی وجہ جواز بن سکتی ہیں کہ ہم اس تحریک ہی کو بھول جائیں اور اپنی زندگیوں سے یکسر خارج کر دیں ------ سوچئے اکہ اس بھری دنیا میں کتنے فی لاکھ لوگ ایسے ہوں گے جنہیں کسی اسلامی تحریک کی گود میں آنکھ کھولنے کا امتیازی شرف حاصل ہوا ہو۔ مجھے آج تک یاد ہے' جب مسلم سرحدی نے جماعت اسلامی سے استعفاء دیا تھا تو آپ نے ایک طویل نظم کہی تھی جس کا آخری شعر یہ تھا۔

ہائے یہ وقت جو دیکھا ہے تیرے ایمان نے
کاش اس وقت سے پہلے تجھے موت آ جاتی!

کاش اکہ جواں سال فاروق نیازی کی موت جواں مرد کوثر نیازی کو حیات جاوداں عطا کرنے کا سبب بن جائے! و ما ذالک علی اللہ بعزیز!

فقط والسلام

خاکسار: اسرار احمد عفی عنہ

اس رمضان المبارک میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دورۂ ترجمہ قرآن کے ویڈیو کیسٹ کے بارے میں تفصیلی اعلان آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے

KHALID TRADERS

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

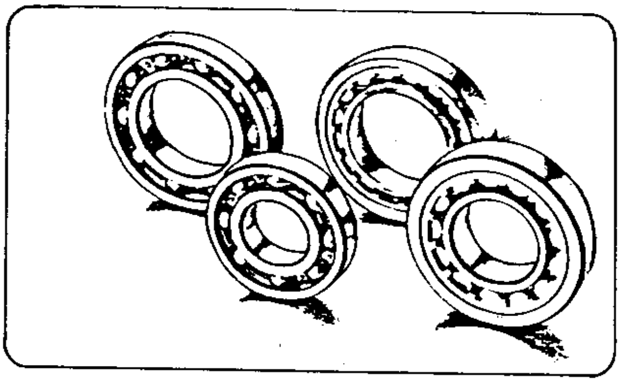

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پریس ریلیز

نیو ورلڈ آرڈر نئے عالمی استعمار کے لئے عیسائی یہودی گٹھ جوڑ کا نام اور خود امریکہ بھی دراصل صیہونیت کا آلہ کار ہے

مجوزہ بلاک میں شامل ہونا یا امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بننا پاکستان کے لئے یکساں خوفناک

۱۸ مارچ کو مسجد دارالسلام باغ جناح میں ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب جمعہ کی پریس رپورٹ

لاہور ۔ ۱۸ مارچ : امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر تنہا رہ جانے کے بعد زمینی حقائق کی روشنی میں پاکستان کے لئے اب دو ہی متبادل لائحہ عمل باقی بچے ہیں لیکن دونوں نہایت خوفناک ہیں چنانچہ اس مخمصہ پر اب کھل کر بات ہونی چاہئے کہ دونوں بلاؤں میں سے چھوٹی بلا کون سی ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے مفصل خطاب جمعہ میں انہوں نے تازہ ترین صورتحال کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایران کے مجوزہ بلاک میں بھارت اور چین کے ساتھ شامل ہو کر نئے عالمی استعمار یعنی نیو ورلڈ آرڈر کو للکارنے کی صورت میں ہمیں بھارت کی شرائط پر ہندو ذہنیت سے معاملہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے کسی بالغ نظر اور واقعی و حقیقی قومی قیادت کے فقدان کے باعث سراسر گھاٹے کا سودا ہے اور بصورتِ دیگر ہمیں سول سپریم پاور یعنی امریکہ کے مجوزہ عالمی نظام کا آلہ کار بننا ہو گا جو سودی قرضوں کی شکل میں کچھ مالی امداد اور دوسرے درجے کے اسلحہ کی فراہمی کے بعد ہماری فوج کو اپنی علاقائی پولیس کے طور استعمال کرنا چاہتا ہے جو بوسنیا اور کشمیر میں تو خون مسلم کی ارزانی پر خاموش تماشائی کا لیکن صومالیہ میں امریکی مفادات کی نگہبانی کا کردار ادا کرے گی اور یہی نہیں بلکہ ہمیں کشمیر سے بھی ہاتھ دھونے ہوں گے جسے امریکہ نئے عالمی استعمار کے لئے چین کے خلاف عسکری اڈے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بظاہر یہ امریکہ کی واحد سپریم پاور کے طور پر تاجپوشی ہے' یو این او اب جس کی ایک باندی ہے اور اسرائیل کی حفاظت اور سرپرستی جس کے دین و ایمان کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ذرا گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو نیو ورلڈ آرڈر پورے کرہ ارضی اور بالخصوص تیسری دنیا یعنی ایشیا اور افریقہ کے معاشی استحصال کا منصوبہ ہے جس کی کامیابی کے لئے سیاسی بالادستی کا حصول بھی ضروری ہو گا اور اس سے بھی زیادہ نیچے جائیں تو معلوم ہو گا کہ نیو ورلڈ آرڈر دراصل عیسائی اور یہودی گٹھ جوڑ کا نام ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس گٹھ جوڑ میں بھی خود امریکہ ہی صیہونی سازش کا شکار ہوا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ باخبر لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہو گی کہ یہ گٹھ جوڑ بڑے ہی ڈرامائی انداز میں پروان چڑھ رہا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے وضاحت کی کہ "واسپ" یعنی سفید فام اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹ اقوام کو تو یہودیوں نے پہلے ہی شیشے میں اتار رکھا تھا تاہم اب اپنے جانی دشمن کیتھولک چرچ سے بھی گٹھ جوڑ مکمل ہو گیا ہے۔ اس کا آغاز پوپ کی طرف سے یہودی قوم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دینے کے جرم سے بری کر دینے کے فرمان سے ہوا جس کے بعد پوپ کے ویٹیکان نے اسرائیل کو تسلیم کر کے یوروشلم میں اپنا سفارتخانہ کھولنے کا اعلان کیا اور تازہ ترین خبر یہ ہے کہ امریکہ سے واپسی پر اسرائیلی وزیراعظم اسحاق رابن نے کوئی نشے یادستاویز یہ کہتے ہوئے پوپ کو پیش کی ہے کہ اس کی حفاظت گزشتہ تین ہزار سال سے ہم کرتے آئے ہیں' اب یہ امانت آپ کے سپرد کی جاتی ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر کے منصوبے پر ایشیا اور افریقہ کے ردعمل کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ افریقہ تو اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہے اور اسے شکار کر لینا امریکہ کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں البتہ ایشیا کا معاملہ توجہ طلب ہے جس میں عالم اسلام کے بیشتر ممالک واقع ہیں اور جہاں مشرق بعید کے بعض ممالک نئے عالمی استعمار کے مقابلے میں خم ٹھونک کر میدان میں آ سکتے ہیں۔ عالم اسلام کے ضمن میں انہوں نے کہا کہ عرب دنیا دو غیر اہم ممالک یعنی لیبیا اور سوڈان کے سوا پورا کا پورا نیو ورلڈ آرڈر کے شکنجے میں جکڑا جا چکا ہے جہاں حکمران تو سب کے سب سربسجود ہیں البتہ کچھ سرپھرے بنیاد پرست نوجوان جانیں ہتھیلیوں پر لئے پھرتے ہیں جو بڑی آسانی سے کچل دیئے جائیں گے۔ عربوں کی رسوائی کا یہ عمل خلیج کے بحران کے بعد مکمل ہوا ہے۔ غیر عرب مسلمان ملکوں میں ایران ایک منفرد اور ممتاز حیثیت کا مالک ہے جو اگرچہ شیعہ اسلام کا نمائندہ ہے تاہم واحد مسلمان ملک ہے جو حکومتی سطح پر بنیاد پرستی کے اقرار کی ہمت رکھتا ہے پھر بھی وہ امریکہ کی ہٹ لسٹ میں پہلے نمبر پر نہیں' پہلے نمبر پر پاکستان ہی ہے لیکن یہاں کی بھی دونوں بڑی جماعتیں' سب قابل ذکر سیاسی قوتیں اور سب حکومتی ادارے نیو ورلڈ آرڈر کے سامنے سربسجود ہیں اور افسوس کہ ہماری فوج بھی نئے عالمی استعمار کی پولیس فورس بن چکی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس کے باوجود امریکہ ہمارے درپے ہے تو اس لئے کہ یہاں متوسط طبقے میں بنیاد پرستی پائی جاتی ہے جو محض جذبات کا جھاگ نہیں بلکہ اس شعور و آ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)